Education of Non-Muslims under the Muslim Rule

By

Syed Suleyman Nadvi

Khuda Bakhsh Oriental Public Library
Patna

ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی میں مسلمان حکمرانوں کی کوششیں

سید سلیمان ندوی

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری۔ پٹنہ

ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی میں مسلمان حکمرانوں کی کوششیں

سید سلیمان ندوی

اردو

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری۔ پٹنہ

وسع القلب = (३४११(१२१७

اشاعت : ۲۰۰۱ء
قیمت : -/۵۰ روپے
غیر ممالک کے لیے : تین۳ ڈالر

طابع وناشر: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ-۴

حرفِ آغاز

ہندوستان کے متعصب مورخین مسلمان حکمرانوں بالخصوص اورنگ زیب پر تعصب، ہندو کشی اور مقامی، باشندوں کو بالجبر مسلمان بنانے کا الزام لگاتے تھے۔ انگریز مورخین نے اپنے مقاصد کے پیش نظر اس مفروضہ کو مزید ہوا دی اور مسلمان حکمرانوں کے خلاف ایک عام فضا قایم کردی۔ اس سے ہمارے متعصب مورخین کو مسلمانوں کے خلاف محاذ قایم کرنے اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں منافرت پھیلانے کے مواقع ہاتھ آئے۔ اس سے سب بڑا نقصان ہندوستان اور ہندوستان کے عام باشندوں کا ہوا۔ فائدہ مجموعی طور پر انگریزوں کا ہوا۔ آج ہمارے کشادہ ذہن اور منصف مزاج ہندو مورخین بھی اس الزام کو غلط اور بے بنیاد مانتے ہیں۔ دراصل مسلمانوں کے خلاف ہندوکشی اور ہندو دشمنی کا الزام اتنا ہی غلط، بے بنیاد اور بعید از حقیقت ہے جتنا یہ کہنا کہ سورج ظلمت پھیلانے والا اور کرہ ارض کو تاریکی میں ڈبونے والا ستارہ ہے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ مسلمان حکمرانوں نے جتنی فراخ دلی، رواداری، بے تعصبی اور کشادہ ذہنی کا ثبوت پیش کیا اس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ تنگ ذہنی اور ہندوکشی کے سلسلہ میں سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ اورنگ زیب کو بنایا گیا۔ علامہ شبلی نے سب سے پہلے اس طرف توجہ کی اور اس سلسلہ میں ایک طویل مضمون 'اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر' سپرد قلم کرکے مضبوط دلایل اور تاریخی شواہد کی روشنی میں ان تمام الزامات کو غلط ثابت کیا اور اس کی صحیح تصویر عوام کے سامنے پیش کی۔ یہ شبلی کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔

دوسرا عظیم کارنامہ علامہ شبلی کے عزیز ترین شاگرد اور ان کی علمی و ادبی روایات کے امین سید سلیمان ندوی نے انجام دیا۔ ان کا یہ کارنامہ ان کا وہ طویل مضمون ہے جو انھوں نے 'ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی میں مسلمانوں کی کوششیں' کے عنوان سے ضبط تحریر کیا جو پہلے ماہنامہ معارف - اعظم گڑھ میں مئی سے دسمبر ۱۹۱۸ء میں قسطوار شایع ہوا اور بعد میں کتابی شکل میں منظر عام پر آیا۔ یہ اصلاً اس مضمون کی ترقی یافتہ شکل ہے جو سید صاحب نے 'ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں' کے زیر عنوان سرسید کی قایم کردہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں ۲۹؍دسمبر ۱۹۱۷ کو بمقام

کلکتہ پیش کیا تھا۔ اس میں انھوں نے مضبوط دلایل اور تاریخی شواہد کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ:

> ''مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندو قوم، وہ قوم تھی جو ہر قوم سے اس قدر شدید نفرت رکھتی تھی کہ اس کے سایہ تک سے گریز کرتی تھی اور اس کو ملیچھ، ناپاک اور نجس ہستی تصور کرتی تھی۔ کیا اس وقت میں کوئی یہ خیال کرسکتا تھا کہ کسی زمانہ میں ہندو قوم بھی اس قدر روادار اور وسیع الخیال ہوجائے گی کہ دوسری قوم کے ساتھ مل جل کر کام کرے گی اور اس کے ساتھ شاگردی و استادی کا رشتہ قایم کرے گی۔ لیکن سو، دوسو برس ہی کے اندر ان کے خیالات میں بڑا تغیر آگیا اور اب وہ مسلمان سلاطین کی نوکریاں کرنے لگے اور درباروں میں مسلمان ارباب کمال کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے لگے۔ یہی ابتدائی بے تعصبی ہندوؤں کی موجودہ تعلیمی ترقی کا راز ہے۔''

اس کے بعد مولانا نے اس بات کا بھی انکشاف کیا ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے مقامی باشندوں کو تعلیم حاصل کرنے کی نہ صرف اجازت دی، بلکہ سرکاری طور پر اس کا انتظام بھی کیا۔ اور اس سے بڑھ کر ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ شاہزادوں کے ساتھ بیٹھ کر مقامی باشندوں کے بچوں کو بھی تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کیے گئے۔ اس میں مذہب یا ذات پات کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ اس بے تعصبی اور کشادہ ذہنی کا یہ مثبت نتیجہ نکلا کہ ہندوستان میں علم کا فروغ ہوا اور وہ تعلیم کے معاملہ میں دوسرے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں جگہ پانے کے قابل ہوگیا۔ آج ہم اپنے ملک میں علم و ہنر کی جتنی ترقی دیکھ رہے ہیں اس کا تمام تر سہرا مسلمانوں کے سر ہے۔

پورا مضمون انتہائی مفید، معلومات افزا ہے۔ اس کی معنویت اور افادیت آج بھی مسلّم ہے اور موجودہ حالات کے پیش نظر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مستقبل میں بھی اس کی اہمیت اسی طرح برقرار رہے گی۔ اس لیے استفادۂ عام کے پیش نظر خدا بخش لائبریری اس کی از سرنو اشاعت کررہی ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ قارئین کرام اس سے حتی المقدور مستفیض ہوں گے۔ لائبریری جلد ہی ان شاء اللہ اس کا انگریزی اور ہندی ترجمہ بھی شایع کرے گی۔

محمد ضیاء الدین انصاری

ڈائرکٹر

(۱)

مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندو قوم وہ قوم تھی جو ہر غیر قوم سے اس قدر شدید نفرت رکھتی تھی کہ اس کے سایہ تک سے گریز کرتی تھی، اور اس کو ملیچھ، ناپاک، اور نجس ہستی تصور کرتی تھی، کیا اُس وقت میں کوئی یہ خیال کر سکتا تھا کہ کسی زمانہ میں ہندو قوم بھی اس قدر روادار اور وسیع الخیال ہو جائے گی کہ وہ دوسری قوم کے ساتھ مل جل کر کام کرے گی، اور اس کے ساتھ شاگردی و استادی کا رشتہ قائم کرے گی۔ لیکن سو دو سو برس ہی کے اندر ان خیالات میں بڑا تغیر آ گیا، اور اب وہ مسلمان سلاطین کی نوکریاں کرنے لگے، اور درباروں میں مسلمان ارباب کمال کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے لگے، یہی ابتدائی بے تعصبی ہندوؤں کی موجودہ تعلیمی ترقی کا زینہ ہے۔

اگر مسلمانوں کا درمیانی دور جس نے سو دو سو برس کے اندر اندر ہندوؤں کو اپنی قدیم تنگ خیالی کے بدلنے پر مجبور کیا، اور دوسری قوموں کے علوم و فنون سیکھنے کی اُن میں ترغیب پیدا کی، ہندوستان میں قائم نہ ہوا ہوتا، تو کیا یہ ممکن تھا کہ انگریزوں کی حکومت کے اول یوم سے وہ انگریزی تعلیم کا آغاز کر دیتے اور ساٹھ ستر برس کے اندر اندر تمام ہندوستان میں ایک غیر قومی زبان کی تحصیل کے لیے مدارس، مکاتب، پاٹ شالے اور کالج کھل جاتے، گوہر مقصود کی تلاش میں سمندروں میں بے محابا سفر کرتے، ان کو سو دو سو برس تو صرف اپنی نفرت قومی اور تعصب مذہبی کے مٹانے میں صرف ہوتے، اور اس اثنا میں مسلمان کہیں سے کہیں جا نکلتے۔

ہندوؤں پر مسلمانوں کا دوسرا سب سے بڑا تعلیمی احسان یہ ہے کہ مسلمانوں سے پہلے ہندو دھرم کے مطابق، تعلیم ہندوؤں کے ایک مخصوص طبقہ تک محدود تھی، حکم تھا کہ وید کا کوئی فقرہ اگر کسی شودر کے کان میں پڑ جائے تو اُس میں سیسہ پلا دیا جائے، برہمنوں کے علاوہ ہندوؤں کے دیگر طبقوں میں یا علم مطلق نہ تھا، یا بہت ہی کم تھا، بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ مذہباً انکو تعلیم کے حاصل کرنے کی مطلقاً اجازت نہ تھی، لیکن مسلمانوں نے ہندوستان آکر تعلیم کو

ہندوؤں کے ہر طبقہ تک عام کر دیا۔ برہمنوں سے لیکر کھتری، کائستھ، بنیے، اوران سے بھی نیچے درجوں تک علم اتر آیا، آج ہندوستان میں برہمنوں سے زیادہ نہیں تو برہمنوں کے برابر غیر برہمن ہندو بھی تعلیم سے بہرہ اندوز ہیں، اور مسلمانوں کے عہد حکومت میں بھی یہی حال تھا کہ برہمنوں سے زیادہ کایستھ اور کھتری تعلیم یافتہ تھے۔

ہندوؤں پر مسلمانوں کا تیسرا سب سے بڑا تعلیمی احسان یہ ہے کہ ان میں تعلیمی علوم وفنون میں وسعت پیدا کی، قدیم ہندوستان کے شیشۂ وقار کو صدمہ پہنچائے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں سے پہلے ہندوستان میں جن علوم کی تعلیم رائج تھی، ان کی فہرست نہایت مختصر تھی۔ نصاب تاریخ سے یہاں کے مدارس ہمیشہ خالی رہے، جغرافیہ کا وجود یہاں برائے نام تھا، فلسفہ، حکمت، اقلیدس، ہیئت، طب، شاعری، موسیقی، وغیرہ علوم ہندوستان میں پہلے سے موجود تھے، لیکن ان کی تعلیم اولاً تو مخصوص لوگوں کو ہوتی تھی، دوسرے یہ کہ ان علوم کے متعلق دنیا کی دوسری قوموں کی جو تحقیقات تھی، اس سے یہاں سرتاپا ناواقفیت تھی، مسلمان علما نے ان کے نصاب تعلیم کو ان فروگذاشتوں سے پاک کیا۔

مسلمانوں میں ہندوستان کا سب سے پہلا علمی فاتح، بیرونی ہے، وہ سلطان محمود کے زمانہ میں ہندوستان آیا، یہ مسلمانوں کی ہندوستان کی عملداری کا آغاز باب تھا اور ضرورت تھی کہ ہندوؤں نے خلافت بغداد کو دوسری صدی ہجری میں جو علمی قرض دیا تھا، وہ مع سود کے واپس کر دیا جائے، بیرونی کتاب الہند کے پہلے باب میں لکھتا ہے:

> ”اجنبی ہونے کے سبب مجھ کو ہندو علمائے ہیئت کی پہلے شاگردی اختیار کرنی پڑی، لیکن تھوڑی ہی مدت کے بعد جب میری زبان دانی کی واقفیت بڑھ گئی تو میری حیثیت استاد کی ہو گئی، چونکہ ہیئت اور ریاضیات میں مجھ کو کامل مہارت حاصل تھی میں خود اُن کو تعلیم دینے لگا، پنڈتوں کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی، تعجب سے پوچھتے تھے کہ تم نے یہ باتیں کس پنڈت سے سیکھی ہیں، ان کو یقین نہیں آتا تھا کہ کسی دوسری قوم کا آدمی بھی علوم وفنون

میں انکا ہمسر ہو سکتا ہے۔ وہ مجھ کو جادوگر سمجھتے تھے اور ''بحر العلوم'' کہتے تھے۔''

ہندو پنڈتوں کی واقفیت کے لیے، اس نے عربی زبان سے حسب ذیل کتابیں سنسکرت میں ترجمہ کیں۔ ۱۔ رسالۂ اصطرلاب، ۲۔ مجسطی، ۳۔ اقلیدس کے مقالے، علاوہ ازیں ہندو پنڈتوں کے سوالات کے جواب میں بھی اُس نے کئی رسالے لکھے، ہندو ہیئت دانوں نے ہیئت کے متعلق سوالات کیے تھے ۱۲۰ صفحوں میں اس نے ان کے جوابات لکھے، ایک رسالہ اُس کا اس بحث پر ہے کہ اعداد کے مدارج جو عربی زبان میں ہیں وہ باعتبار ہندی کے زیادہ صحیح طریقہ پر مقرر ہیں۔ (۱)

مسلمانوں کے فتوحات نے ہندوستان میں جب وسعت حاصل کی تو ہندو پنڈتوں کو ان کے اندرونی حالات کے دریافت کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ بھوجر برہمن نام بنارس کا ایک باشندہ قاضی رکن الدین کی خدمت میں پہنچا، اور ان سے مسلمانوں کے علوم کی تکمیل کی۔ قاضی صاحب نے بھوجر سے سنسکرت سیکھی اور اس کی مدد سے انبرت کنڈ (حوض آبحیات) نام کی ایک کتاب کا سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیا۔ (۲)

سلطان زین العابدین جو ۸۲۶ھ میں تخت کشمیر پر جلوہ آرا ہوا تھا، اور جس کے آثار سلطنت پر شہنشاہ اکبر نے اپنی حکومت کی بنیادیں کھڑی کی تھیں، اُس نے ہندوؤں کے لیے بہت سی عربی اور فارسی کتابوں کے ترجمے ہندی میں کرائے، فرشتہ کی عبارت یہ ہے:

> وفرمودتا اکثرے از کتب عربی و فارسی بزبان ہندی ترجمہ کردند (۳)

سری بھٹ نام ایک بید کو طبابت کی تعلیم دلا کر اپنے دربار میں یہاں تک ممتاز کیا کہ وہ سیاسی معاملات میں بھی دخیل ہو گیا۔ فرشتہ لکھتا ہے:

> وسلطان بجہت طبابت سری بھٹ را کہ طبیبے حاذق بود تربیت کرد (صفحہ ۳۴۲)

ہندوؤں کو مسلمانوں سے جو نفرت قلبی تھی، اس کا اثر یہ تھا کہ کوئی ہندو مسلمان بادشاہوں کے دربار میں نوکری تک قبول نہیں کرتا تھا، رسوم وعادات کی یہ بندشیں سب سے

پہلے دکن میں ٹوٹیں، مسلمان سلاطین نے ہندو فاضلوں کی قدر افزائی شروع کی اور اس بہانہ سے وہ رفتہ رفتہ مسلمانوں سے مانوس ہونے لگے۔

شہزادہ محمد تغلق کے دربار میں گنگو نام ایک برہمن خدمت منجمی پر ممتاز تھا۔ حسن بہمنی جو دکن میں بہمنی حکومت کا بانی ہوا ہے وہ اس منجم کا نہایت ممنون احسان تھا اس تقریب سے دکن کے برہمنوں کو بہمنی حکومت کے ساتھ موانست پیدا ہوئی اور بالآخر تمام دفاتر سرکاری کے وہ مالک بن بیٹھے، فرشتہ میں ہے:

> مشہور ہست کہ پیش ازین برہمنان، پیرامون عہد و عمل شہریاران اسلام نمی گردیدند و در قرایا و زوایا و سواحل انہار، بکسب انواع علوم خصوص علم نجوم اشتغال داشتہ، متوکلانہ زندگی می کردند و ملازمت اہل دنیا خصوص مسلمانان را مزیل حسنات دانستہ و شقاوت ابدی تصور کردہ پیرامون عہد و عمل نمی گردیدند اگر احیاناً بعضے از ایشان بوسیلۂ طبابت و نجوم و وعظ، و قصہ خوانی در صحبت ارباب جاہ می بودند بانعام و احسان ایشان مخصوص گشتہ، قلادۂ نوکری در گردن نمی اندازند، اول کسیکہ از فرقہ براہمہ در دور سلاطین اسلام نوکری کرد گانگو پنڈت بود و تا حال کہ ۱۰۱۰ھ است بخلاف سائر ممالک ہند خصوصاً دفتر بادشاہان دکن و نویسندگی والایت ایشان بہ بہا منہ [برہمن] مرجوع است (جلد۱، صفحہ ۲۷۸)

3

شاہی دفتر کی زبان عموماً فارسی تھی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اہل کار فارسی زبان اب سیکھنے لگے تھے، ابراہیم عادل شاہ جو ۹۴۲ھ میں دکن کی عادل شاہی خاندان کا فرمانروا ہوا تھا اس نے فارسی زبان بھی دفتر سے برطرف کردی۔

> و دفتر فارسی برطرف کردہ ہندوی کردو بہا منہ [برہمن] را صاحب دخل گردانیدہ (فرشتہ صفحہ ۲۷، جلد ۲)

4

شمالی ہندوستان کی نسبت مشہور ہے کہ سب سے پہلے سلطان سکندر لودی کے زمانہ

इतिहास के अध्ययन से यह स्पष्ट होता है कि

میں، یہاں ہندوؤں نے فارسی پڑھنی شروع کی، تاریخوں کے پڑھنے سے یہ صاف نظر آتا ہے کہ ہندو رعایا کی تعلیم کے لیے اس سے پہلے کوئی خاص انتظام نہیں کیا گیا تھا، بلکہ جو طریقۂ تعلیم اور نصاب تعلیم ان میں مدتوں متوارث چلا آتا تھا اس میں کوئی دخل نہیں دیا گیا اپنے طور پر درس و تدریس کے جو انتظامات اُن میں جاری تھے ان کو علی حالہا باقی رکھا گیا۔ مسٹر لا اپنی تاریخ 'پروموشن آف لرننگ ان انڈیا' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

ابھی وہ دن دور تھا جب کہ ہم مسلمان سلاطین کو ہندو اور مسلمان دونوں رعایا کی تعلیم کی برابر سرپرستی کرتے ہوئے اور ایک ہی جوش کے ساتھ مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں کے علوم کو ترقی دیتے ہوئے پائیں۔ سب سے پہلے مسلمان فاتح کے ہندوستان میں قدم جمنے کے ایک صدی یا دو صدی بعد تک ہندوؤں کی تعلیم اور اُنکے علوم اپنے (قدیم) راستہ پر اپنے حامیوں کی اعانت سے چلتے رہے۔

مگر بعض قراین سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فارسی تعلیم کا رواج ان میں اس سے پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق جو ۷۵۵ھ میں تخت نشین ہوا تھا، کانگڑہ کی فتح کے موقع پر جوالا مکھی کی سیر میں اس کو ایک چھوٹا سا کتبخانہ ملا تھا، پنڈتوں کو بلا کر چند کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔ سیر المتاخرین کی عبارت یہ ہے:

> سلطان علمائے آن طائفہ را بحضور خویش طلب داشتہ مضامین آن
> راشنیدہ محظوظ گردید و فرمود بعضے از آن کتب را بہ فارسی ترجمہ کنند۔

بہر حال مورخین کا مطلب یہ ہے کہ باقاعدہ اور عمومیت کے ساتھ ہندوؤں میں فارسی تعلیم کا رواج سلطان سکندر لودی کے زمانہ سے ہوا۔ سلطان لودی نے ہندوؤں کے تہان کی جگہوں میں مساجد، مدرسے اور بازار قائم کیے، سپاہیوں کو تعلیم پر مجبور کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں میں بھی عام طور پر فارسی تعلیم رائج ہوگئی۔ فرشتہ شہادت دیتا ہے:

> بعہد فرخندۂ او علم رواج یافت و امراء و ارکان و سپاہیان بکسب فضائل
> اشتغال نمودند و کافران بخواندن و نوشتن خط فارسی کہ تا آن زمان درمیان

ایشان معمول نبود پرداختہ۔

اس کے بعد شیر شاہ کا زمانہ آتا ہے، اس نے ہندوؤں کے ساتھ نہایت مہربانی کا برتاؤ کیا، بہت سے ہندوؤں نے فارسی پڑھ پڑھ کر دکن کی طرح شمالی ہندوستان میں بھی دفاتر سرکاری میں نوکریاں حاصل کیں، راجہ ٹوڈرمل جو اکبر کے نورتن میں شامل ہے وہ شیر شاہ ہی کا تربیت کردہ تھا اور اس کی محکمہ مالگذاری کا دیوان تھا۔

تیموریوں کے زمانہ میں ہندوؤں کی تعلیمی ترقی درجۂ کمال تک پہنچ گئی گو اس کی تفصیلات نہ ملیں لیکن استقصائے جزئیات سے یہ نتیجہ واضح طور پر نمایاں ہوتا ہے کہ فارسی زبان کی تعلیم ان کے زمانہ میں گھر گھر پھیل گئی۔

فارسی تعلیم کے علاوہ سنسکرت اور دیگر مذہبی علوم کی تعلیم کے لیے ملک کے مشہور شہروں میں بڑی درسگاہیں تھیں، جہاں دور دور سے طلبہ آکر شریک درس ہوتے تھے۔ یہ درسگاہیں ٹھٹھ ملتان اور خصوصاً بنارس میں زیادہ تھیں (۴) سلاطین تیموری بھی ان علوم کی دستگیری میں کمی نہیں کرتے تھے۔ درباروں میں ان کو مسلمان فضلائے عہد کے پہلو بہ پہلو جگہ ملتی تھی۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں ہندو فضلا کے حسب ذیل نام لکھے ہیں: مہادیو، بھیم ناتھ، نارائن، سیوجی، مادھو، رامچندر، سری بھٹ، مادھو سرستی، جدروپ، بشن ناتھ، مدسودن، رام کشن، نرائن اسرم، بلبھدر، مصر، ہرجی سور، باسدیو مصر، دامودر بھٹ، رام تیرتھ، بدھ نواس، نرسنگھ، گوری ناتھ، برم اندر، گوپی ناتھ، بجی سین سور، کشن پنڈت، نہال چند، بھٹا چارج، کاشی ناتھ، دیوی برہمن، دیوی برہمن نے مہابھارت کا فارسی مین ترجمہ کیا۔

اکبری دربار میں فن مصوری و نقاشی کے جو ماہرین تھے، ان میں مسلمان اُستادوں کو چھوڑ کر حسب ذیل ہندو اساتذہ تھے: دسونت کہار۔ وساون، کیشو، لال، مکند، مادھو، جگن، مہیش، کھیم کرن، تارا، ساؤنلا، ہری بنس، رام۔

جس طرح اس عہد میں سنسکرت سے فارسی میں کتابیں ترجمہ کی گئیں، بعض کتابوں کا عربی و فارسی سے سنسکرت میں بھی ترجمہ کیا گیا۔ مرزا الغ بیگ کی زیچ، علم ہیئت کی آخری

اور مستند کتاب ہے، مسلمان اور ہندو فضلا کی ایک مشترک مجلس نے اس کا سنسکرت میں ترجمہ کیا ۔ ہندو علماء میں سے کشن، جوتشی، گنگا دھر، مہیش اور مہانند اس مجلس کے ممبر تھے۔

جہانگیر نے بھی ہندو فضلا کی قدردانی میں کمی نہیں کی، اس کے عہد میں جدروپ گوشائیں، نہایت مشہور بیدانت تھا، وہ پاپیادہ اس کے جھونپڑے تک جاتا اور گھنٹوں اُسکے پاس بیٹھا رہتا، راستہ چلتے کسی سنیاسی کا نام سنتا تو اُس کے ملاقات کو اُتر پڑتا، ایک دفعہ وہ سفر کر رہا تھا کہ ناگاہ ایک مقام پر اس کو بہت سے جوگی نظر آئے، تزک میں لکھتا ہے:

> درہمین منزل شب شیورات واقع شد جوگی بسیار جمع آمدہ بودند...
>
> بادانایان ایں طائفہ صحبتہا داشتہ شد،

رائے منوہر لال ولد رائے لون کرن لڑکپن سے جہانگیر کے زیر سایہ عاطفت تعلیم پا کر جوان ہوا تھا۔ فارسی زبان کی شاعری اور خوشخطی میں سلیقہ خاص پیدا کیا۔ (۵) راجہ سورج سنگھ نے ایک ہندو شاعر کو دربار میں پیش کیا۔ جہانگیر اس کے چند ہندی اشعار سن کر نہایت محظوظ ہوا اور ایک ہاتھی اس کو عطا کیا۔ (۶) اس کے دربار کا مشہور نقاش بشن داس تھا جس کو جہانگیر نے ایران بھیجا تھا۔ (۷)

داراشکوہ کا دربار ہندو فضلا اور شعرا سے بھرا رہتا تھا، وہ خود بھی ہندوؤں کے علوم و فنون میں مہارت رکھتا تھا، اسی لیے ہندو علماء کو عزیز رکھتا تھا، اس کے دربار کا گویا ملک الشعرا ایک برہمن چندر بھان نامی تھا۔ اسکا تخلص برہمن تھا۔ فارسی میں دلپسند شعر کہتا تھا، اس کا دیوان فارسی اب تک موجود ہے، دارشکوہ کے قتل کے بعد بنارس میں آکر سکونت اختیار کر لی تھی جہاں اس نے ۱۰۷۳ء میں وفات پائی۔ اس مضمون میں بدنصیب عالمگیر کا نام، کسی دوستانہ حیثیت سے تو بار نہیں پا سکتا لیکن دشمنانہ انداز میں بھی کیا کسی رسم محبت کا سراغ لگ سکتا ہے؟ مآثر عالمگیری میں ہے:"

> بہ عرض خداوند دین پرور رسید کہ در صوبہ ٹھٹھہ، ملتان، خصوص بنارس
>
> برہمنان بطالت نشان در مدارس مقرر بہ تدریس کتب باطلہ اشتغال دارند

> وراغبان وطالبان از ہنود و مسلمانان مسافتہائے بعیدہ طے نمود جہت تحصیل علوم شوم نزد آن جماعت گمراہ می آیند، احکام اسلام نظام بہ ناظمان کل صوبہ جات صادر شد کہ مدارس و معابد بے دینان دستخوش انہدام سازند و بہ تاکید اکید طور درس و تدریس ورسم شیوع مذہب کفر انیان براندازند
>
> (صفحہ ۸۱)

اس عبارت سے جہاں عالمگیر کی تنگدلی ظاہر ہوتی ہے، وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت، ہندوستان کے تمام صوبوں میں ان کے مدارس قائم تھے، غالباً ان مدارس کے توڑنے کے احکام اُسی اصول پر مبنی ہوں گے، جس کی مثال ہم کو اس روشن عہد حکومت کی تعلیمی پالیسی میں نظر آتی ہے۔

محمد شاہ کے زمانہ میں راجہ جے سنگھ والی جے پور نے، دلی، بنارس اور اوجین میں رصد خانے قائم کرائے، ملا خیر اللہ مہندس رصد خانۂ دلی کے منتظم خاص تھے، بنارس کا رصد خانہ اب تک موجود ہے، اور ہندوؤں کے تہواروں میں اور شادی بیاہ کی تاریخوں میں اس سے اب تک مدد لی جاتی ہے۔

جے سنگھ نے مسلمان علما کو جمع کر کے عربی زبان کی چند مشہور ہیئت کی کتابوں کا ہندی میں ترجمہ کرایا۔ (٨)

اس تمام عہد میں ہندوؤں کی تعلیم روز بروز ترقی کرتی گئی، فارسی دانی کا ذوق، علوم عربی کی تحصیل کا شوق، شاعری کا مذاق، خطاطی، خوشنویسی، حساب وغیرہ کی تعلیم نہایت عام ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ اس عہد میں یہ نظر آتا ہے کہ ہر شریف ہندو کچھ نہ کچھ لکھا پڑھا تھا، یہ تو ہم نہیں کہتے کہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوستان میں کتابوں کے جمع کرنے اور کتبخانوں کے قائم کرنے کا شوق نہ تھا۔ کانگڑہ کی فتح میں مسلمانوں کو جو کتبخانہ ملا تھا اس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ لیکن اس عہد میں مسلمانوں کی دیکھا دیکھی ہندو شرفا میں کتبخانوں کے قائم کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ تاریخی حوالوں کو چھوڑ کر آج ہندوؤں کے جو قدیم شریف گھرانے موجود ہیں وہاں

عربی اور فارسی کتابوں کی چند فرسودہ جلدیں کسمپرسی میں پڑی ہوئی ملیں گی۔ بڑے بڑے ہندو امراء کے ایوانوں میں دیگر سامان آرائش کے ساتھ ساتھ کتبخانہ کا وجود بھی لوازم ریاست سے سمجھا جاتا تھا، لاہور، دلی، لکھنؤ، پٹنہ، اور ڈھاکہ میں ایسے بکثرت گھرانے ملیں گے، پٹنہ میں اس وقت دو ایک ایسے قدیم ہندو رئیس موجود ہیں جن کے ہاں عربی کتابوں کے نوادر نسخے اب تک موجود ہیں اور ان کو اس قدر عزیز ہیں کہ وہ انکو جدا نہیں کر سکتے، راجہ شتاب رائے ناظم بہار کے خاندان میں اس قسم کا ایک نادر کتبخانہ موروثی چلا آتا ہے۔

(۲)

گذشتہ اوراق میں جو کچھ کہا گیا وہ جنوبی اور شمالی ہندوستان اور کشمیر کے متعلق تھا، ان اوراق میں اس خطۂ ہند کے متعلق ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں جو آج ہندوستان کا سرتاج اور مایۂ فخر و ناز ہے، یعنی بنگال!

بنگالی زبان آج اپنی ثروت اور تمول کے لحاظ سے تمام ہندوستان کی زبانوں میں سب سے زیادہ دولتمند ہے، لیکن یہ سنکر تعجب ہوگا کہ اس کی ترقی کا آغاز بنگال میں مسلمانوں کی ابتدائے حکومت سے ہوتا ہے، اس سے پہلے یہ زبان، کاغذ کے ایک صفحہ کی بھی مالک نہ تھی، بنگالی زبان کی سرسبزی اور شادابی کی آج دھوم ہے، لیکن مسلمانوں سے پہلے اس زمین میں ایک تخم بھی بویا نہ گیا تھا۔

اس دعویٰ کے ثبوت میں ہم اپنی تحقیقات کے بجائے، ایک فاضل بنگالی مورخ کی تاریخ ”ترقی علوم در ہندوستان“ کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں،

> ”سلاطین بنگال کی کوششیں صرف مسلمانوں کی تعلیم کی ترقی تک محدود نہیں رہیں، کیونکہ انھوں نے اپنی دیرینہ بیدار مغزی کو ایک نئے راستہ پر علوم کو ترقی دینے میں جس کے ساتھ بنگالی بولنے والے لوگوں کو خاص طور سے دلچسپی ہونا چاہئے، متوجہ کیا، ان لوگوں کو یہ بات بے جوڑ معلوم ہوگی کہ ان کی زبان اپنے علمی سطح تک پہنچنے میں خود ان کی نہیں

بلکہ ان مسلمانوں کی ممنون ہے۔ جن کی ابتدائی توجہ اس کی طرف صرف اس کی ندرت کی بنا پر اور اس بنا پر تھی کہ اس کو اس سنسکرت زبان سے تعلق ہے جو اس وسیع ہندو آبادی کا محبوب خزانہ ہے۔ جس کے ساتھ ان کو بہت زیادہ تعلق ہے۔"

"سب سے پہلے مہابھارت اور رامائن کی رزمیہ نظموں نے بنگال کے مسلمان سلاطین کو اپنی طرف متوجہ کیا، جن کے اشارہ سے انکا بنگالی یعنی ملکی زبان میں ترجمہ ہوا، مہابھارت کا سب سے پہلا ترجمہ ناصر شاہ، والی، بنگال (۱۲۸۲ء۔ ۱۳۲۵ء) کے حکم سے ہوا، جو صوبہ کی دیسی زبان کا بہت بڑا مربی تھا، اور جس کو شاعر اعظم ودیا پتی نے اپنی مدد دیکر زندۂ جاوید بنا دیا، اپنی ایک نظم میں سلطان غیاث الدین کا بھی ذکر کرتا ہے۔ جس سے غالباً غیاث الدین ثانی والی بنگال ۱۳۶۷ء۔ ۱۳۷۳ء مراد ہے۔"

"..... یہ مشکوک ہے کہ بنگال کے کسی مسلمان بادشاہ یا ہندو راجہ (۹) کانس نرائن نے کرتی کو بنگالی میں رامائن ترجمہ کرنے کا حکم دیا، اگر پچھلی روایت صحیح ہے تو اس میں شک نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں ہی کے نظیروں نے اس کارنامہ کے انجام پر اس کو آمادہ کیا۔"

"سلطان حسین شاہ، بنگالی زبان کا بہت بڑا مربی تھا، مالادھر باسو، کو اسی نے بھاگوت پوران کے بنگالی ترجمہ پر مقرر کیا، حسین شاہ کا ایک سپہ سالار پرگل خان نامی ہے پرگل خان اور اس کے بیٹے نے اپنے نام کو اس بنا پر بقائے دوام بخشدیا ہے کہ انھوں نے مہابھارت کا ٹکڑا بنگالی میں ترجمہ کرایا"

پرگل خان روزانہ شام کو اپنے محل پرگلپور واقع فینی میں اپنے اہل دربار کو جمع کرتا تھا تاکہ مہابھارت کے بنگالی ترجمہ کو مترجم یعنی کوندرا

پرمیشور کی زبان سے سنیں، پرگل خان کے زیر اہتمام اس رزمیہ نظم کا ترجمہ ''استری پرو'' تک پورا ہوا، اس کے بعد چھوٹے خان جو اس کا چاٹگام کی گورنری پر جانشین ہوا، اس نے سریکرن نانندی شاعر کو مقرر کر کے اس کام کو جاری رکھا اور ''آشمویدھ پرو'' کا ترجمہ کرایا۔

مسلمان امرا کے اشارہ سے بنگالی میں سنسکرت اور فارسی کتابوں کے ترجمہ کرنے کی مثالیں شاذ نہیں ہیں، انھوں نے سنسکرت کے عشاق برہمن اور ہندو راجاؤں کے اس مغرور جذبہ کو جس سے وہ بنگالی زبان کو دیکھتے تھے، بدل دیا، مسلمان امرا کی تقلید میں بنگالی مصنفین کی ہمت افزائی، اور درباروں میں بنگالی شعرا کے رکھنے کا ہندو راجاؤں میں عام رواج ہو گیا، اس زمانے سے کتنے ممتاز بنگالی شعرا اور مصنفین نے ہندو راجاؤں کے درباروں کو آراستہ کر دیا، جس کے سبب سے بنگالی مقبولیت عام میں بلند سطح تک ترقی کر گئی، اور اُن زبانوں کی جو اپنے پاؤں اس صوبہ میں گاڑ رہی تھیں حریف بن گئی۔'' (۱۰)

الغرض رفتہ رفتہ عربی اور فارسی زبان کی تعلیم بنگالی شرفاء کا طغرائے امتیاز بن گئی خصوصاً ان خاندانوں کے لیے جنکو حکمرانوں کی نیابت اور سرکاری عہدوں پر سرافرازی کا موروثی حق ہو گیا تھا، مہاراجہ سورجو کنترا اچارجی ٹاکی، مہاراجہ جتندرو موہن ٹاگور، اور مہاراجہ تاوا کرشنا کے خاندان بنگال میں عربی اور فارسی علوم و ادبیات کے مربی تھے، اور ان کے فرزندان علوم میں عالمانہ مہارت رکھتے تھے، راجہ رام موہن رائے بانی فرقہ برہمو سماج اور راجہ کشب چندر سین جنھوں نے آخر زمانہ میں بنگالی قوم میں مصلحین اعظم کا درجہ پایا ہے، علوم اسلامیہ کے واقفین میں انکا شمار ہے، مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی ندوہ کے اجلاس مدارس (۱۹۱۷ء) کی تقریر میں فرماتے ہیں:

''بنگال کے جدید دور ترقی کا سنگ بنیاد راجہ رام موہن رائے کے

قابل ہاتھوں سے رکھا گیا، یہ واقعہ ہے کہ انھوں نے پٹنہ میں عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی، گذشتہ موسم سرماء میں کلکتہ کے ایک نامور بنگالی بابو نے مجھ سے کہا کہ اُن کے باپ اور چچا کے زمانہ تک کلکتہ سے بکثرت بنگالی عربی پڑھنے پٹنہ جایا کرتے تھے، چنانچہ انکے چچانے پندرہ برس میں علوم عربیہ کی تکمیل کی تھی، گریش چندر گھوش نے قرآن مجید، تذکرۃ الانبیا اور مشکوۃ کا بنگالی میں ترجمہ کیا،

انہیں اسباب کا اثر ہے کہ بنگالی زبان میں عربی اور فارسی کے الفاظ خصوصاً، آداب سلطنت اور کارروائی ہائے مقدمہ کے الفاظ بکثرت ہیں اور اب رفتہ رفتہ ان کی جگہ انگریزی لے رہی ہے، تاہم بنگال کی ڈیڑھ دوسو برس کی انگریزی حکومت کے بعد بھی ان الفاظ کا اب تک بنگالی میں رواج پذیر رہنا، اس کے یہ معنی ہیں کہ اس زبان میں ان مفاہیم کے لیے سرے سے الفاظ ہی نہ تھے۔

بنگال کے بعض ممتاز خاندانوں کا سرنام اب تک فارسی ہے، مثلاً ملک، عہدہ دار، سرکار، موزمدار، اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ان کو اپنے حاکم وقت کی زبان سے کس درجہ محبت تھی۔

مہاراشٹر کی مرہٹی زبان جو کہنا چاہیے کہ وہ ہندوستان کی اس قوم کی زبان ہے جس کا اگر بس چلتا تو مسلمانوں کی ہستی کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ ڈالتی، تم اس سے قیاس کر سکتے ہو کہ مسلمانوں کے علوم وفنون اور زبان سے اسکو کس درجہ نفرت ہوگی، لیکن یہ معلوم کر کے تعجب کی انتہا نہ رہے گی کہ مرہٹی زبان کے بنانے میں مسلمانوں کے زبان وقلم نے سب سے زیادہ کام کیا ہے، دہقانی اور صحرائی مرہٹوں کو طرز آداب شاہی سیکھنے کے لیے اپنے انہیں دشمنوں کا دست نگر ہونا پڑا، ابتداء مرہٹی زبان ایک وسیع ملک کی جہانداری کی قوت نہیں رکھتی تھی، اس لیے ناچار انہیں مسلمانوں اور برہمنوں کا اسکو ممنون ہونا پڑا جنھوں نے فارسی زبان پڑھی اور سیکھی تھی، مرہٹہ راجاؤں کے فرامین آج بھی تم پڑھ لو تو آدھے سے زیادہ اس میں اصلی یا

بگڑے ہوئے فارسی و عربی الفاظ کی آمیزش پاؤ گے، تعلیم یافتہ سے تعلیم یافتہ مرہٹہ آج قدیم مرہٹی زبان کے لٹریچر کے سمجھنے سے اپنے کو عاجز پاتا ہے۔

آداب و قواعد سلطنت، کاغذات سرکاری، صنعت و حرفت، خانگی زندگی ہر ایک چیز میں اس کی زبان کا اصلی راس المال عربی و فارسی زبان کے الفاظ ہیں۔ ہمارے دوست شیخ عبدالقادر صاحب ایم، اے پروفیسر الفنسٹن کالج بمبئی جو مرہٹی کی زباندانانہ لیاقت رکھتے ہیں وہ مرہٹی زبان کی ایک ڈکشنری لکھنے والے تھے، جس سے بیک دفعہ یہ نظر آجاتا کہ عدالت، کتبخانہ، مدرسہ، بازار، کارخانہ، ہر جگہ مرہٹی کے آلات تخاطب عربی و فارسی الفاظ ہیں، حلوائی کی دوکان سے بڑھئی اور لوہار کے مکان تک چلے جاؤ، آلات کے نام اور تہذیب و تمدن کے الفاظ کا ماخذ مسلمانوں ہی کے زبان کو پاؤ گے، تاریخ کے لیے لفظ مرہٹی میں نہ تھا، اب اسکو باکھر کہتے ہیں، اس زبان کے محققین کا بیان ہے کہ یہ کھبر کی تحریف ہے 'کھبر' 'سمجھے؟ خبر!

بیسیوں ہندو خاندان وہاں آباد ہیں، جنکا سرمایہ امتیاز یہ ہے کہ عہد قدیم میں اُن کا خاندان فارسی کا خدمت گزار تھا، اور اب تک ان کا خاندانی سرنام وہی فارسی زبان کا لفظ ہے مثلاً ''پھڑنیس''، یعنی فردنویس، ''چٹ نیس''، یعنی چٹھی نویس'''' کلہ دار''، یعنی قلعہ دار، ''پوت دار''، یعنی پوتھی دار، ایک قسم کے مرہٹے سپاہی کا نام ''سلہ دار'' تھا، اسکی اصل سمجھے، سلحدار، تگائی تم جانتے ہو؟ تم جس کو تقادی، بولتے ہو، آجکل دکن میں مرہٹوں اور برہمنوں کی زبانوں پر حسب ذیل عہدوں کے نام عام طور سے جاری ہیں:

مقدم — چودھری — فوجدار — سب انسپکٹر

معاملہ دار — تحصیلدار — ناجر — ناظر

کارکن، — محرر — سرستہ دار — سررشتہ دار

دیوان — سکریٹری — .... — ....

ملک دکن اور مہاراشٹر کی تقریب سے ہم نے حیدرآباد کا ذکر نہیں کیا، سبب یہ ہے کہ اس مجسمہ عدل و انصاف ریاست نے اپنی ہندو رعایا کی تعلیمی و علمی ترقی میں جو کارنامے انجام

लेख की शक्ल में नहीं। बल्कि एक पुस्तक के सैकड़ों पृष्ठों में उसकी चर्चा होनी चाहिए

دیئے ہیں وہ ایک مضمون کی ضمن میں نہیں بلکہ ایک کتاب کے سیکڑوں صفحات میں انکا تذکرہ ہونا چاہیئے ، صرف ایک حیدرآباد کی اسلامی ریاست نے اپنی ہندو رعایا کے ساتھ جو کچھ کیا اور کر رہی ہے ، تمام ہندوستان کی ہندو ریاستوں نے مل کر بھی اپنی مسلمان رعایا کے ساتھ اتنا نہیں کیا ، اس وقت موضوعِ سخن صرف علمی اور تعلیمی حالات ہیں ، اس لیے صرف اسی زاویۂ نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ علاوہ عام تعلیم کے جس کی بدولت ریاست کے تمام دفاتر پر ہندو اہل کار قابض رہے ہیں ، اعلیٰ تعلیم کے لحاظ سے بھی ہر عصر میں یہاں ہندو اہل قلم مصنفین اور شعرا موجود رہے ہیں ، اس بیان کی تصدیق کتبخانہ آصفیہ کی مطبوعہ فہرست کی دو جلدوں میں ملے گی ، منشی لچھمی نرائن شفیق مصنف بساط الغنائم و تاریخ دکن ، لالہ گروھاری لال مصنف تاریخ دکن ، رائے منالال مصنف تاریخ دکن ، لالہ لچھمی نرائن مصنف چمنستان شعراء ، راجہ گردھاری پرشاد باقی ، صاحب دیوان و مثنوی ، مہاراجہ چندو لال شاداں ، صاحب کلیات ، ہندرام مصنف سیاق نامہ ، جگناتھ نجومی مصنف تقویم التواریخ ، حکیم رائے بچولال تمکین ، صاحب دیوان و مصنف مجربات ، رتن لال مصنف تخطیط البلاد وغیرہ کے سیکڑوں نام گنائے جا سکتے ہیں ، اور عجب نہیں کہ کوئی حیدرآبادی قلم ان سے بھی بہتر اشخاص کے نام پیش کر سکے ۔

بہار ، اودھ ، صوبہ آگرہ اور دلی کے متعلق بے خطر کہنا چاہیے کہ یہاں ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے برابر برابر تھی ، ان ممالک کے بیشمار ہندو فضلا کے نام تذکروں میں محفوظ ہیں ، فقط ایک لکھنؤ میں ہندو شعرا کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہوئی ہوگی لکھنؤ کے کشمیری ہندوؤں میں فارسی تعلیم کا رواج انتہائی عروج پر تھا ۔ لکھنؤ میں راجہ الفت رائے الفت ، کالی پرشاد اخلاص ، لالچند انس ، راجہ گنگا پرشاد بدر ، منشی خیالی رام خیالی ، بختاور سنگھ راقم ، میکولال الفت ، رام سہائے رونق ، میڈولال زار ، راجہ جیالال گلشن ، راجہ کالکا پرشاد موجد ، منشی الممالک راجہ جوالا پرشاد وقار ، دیگر اضلاع اودھ و الہ آباد میں منن لال آفرین الہ آبادی ، رائے امر سنگھ خوشدل مانکپوری ، گوکل چند ہندو فرخ آبادی ، راجہ مدن سنگھ موزوں اٹاوی ، رائے گلاب رائے گلشن سندیلوی ، سکھن لال

موجد بدایونی، لالہ بیجناتھ مشتاق بریلوی، لالہ رام بخش مطیع قنوجی، لالہ بالمکند شہود مانکپوری، منشی ایشری داس آرام فرخ آبادی، اندرمن اورنگ آبادی (علی گڑھ) آگرہ میں چندر بھان برہمن، شیورام حیاء، رائے منوہر ولد رائے لون کرن عظیم آباد پٹنہ میں، لالہ اجاگر الفت، راجہ پیارے لال الفتی، راجہ بہادر راجہ، راجہ رام نرائن موزوں، بنی پرشاد دل وغیرہ فارسی زبان کے مشہور شاعر سخن فہم، انشاپرداز اور فاضل گذرے ہیں۔

الہ آباد کے مشہور ہندو لیڈر مالوی جی اگر اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہے کہ ممالک متحدہ کے ہندوؤں کا سب سے پہلا لیڈر جو اسی شہر الہ آباد میں آپ کے ہم پیشہ تھے اور جن کی کوشش سے آپ "پالٹیکس" کے لفظ سے گوش آشنا ہوئے ہیں وہ عربی اور فارسی علوم کے ایک بہت بڑے ہمہ دان فاضل تھے، یعنی پنڈت اجودھیا ناتھ! وہ ایک طرف کانگریس کے پلیٹ فارم پر لکچر دیتے تھے تو دوسری طرف اپنے گھر میں بیٹھ کر متنبی اور عرفی کا درس دیتے تھے۔

پنجاب بھی مسلمانوں کے تعلیمی اثر سے خالی نہیں، مل سیالکوٹی، متخلص بہ وارستہ جو فارسی کے مشہور لغت مصطلحات الشعرا کا مصنف ہے، وامق کھتری شاگرد ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، منشی بچھمی نرائن دبیر گنجاوی لاہوری پنجاب کے نامور ہنود فضلا ہیں، بچھمی نرائن کو معقولات میں بھی بہت بڑی مہارت حاصل تھی، مصطلحات فارسی کی تحقیق میں وارستہ نے ۳۰ برس ایران میں گذارے تھے۔

دلی میں منشی مادھورام منشی، رائے منوہر لال منوہر، مرزا راجہ کدارناتھ تسیم، مرزا کو ذرا دیکھیے گا۔ راجہ گوپال ناتھ غلام، پورن لال رنگین، بہادر سنگھ دلخوش، لالہ چنی داس ذرہ، شیو سنگھ بیجان، لالہ نرائن داس بیخود، سکھراج سبقت، منشی گوہر لال تفتہ وغیرہ سیکڑوں فضلا گذرے ہیں۔ (۱۱)

دیہاتوں میں تعلیم کا طریقہ وہی تھا جو مدت دراز سے ہندوستان میں جاری ہے۔ گروجی دیہات کے زمیندار کے ہاں نوکر ہوتے تھے، یا تمام گاؤں کی طرف سے انکو تنخواہ ملتی تھی۔ لڑکے کسی کچے مکان کے برآمدہ میں یا سایہ دار درخت کے نیچے لپی ہوئی زمین پر بیٹھ

جاتے تھے، ہاتھ میں لکڑی کا سیاہ رنگا ہوا تختہ ہوتا تھا، اس پر کھریا کی سفید روشنائی سے لکھتے تھے، یا کھریا مٹی کے ڈھیلے سے زمین پر لکھتے تھے، ہندی لکھنا پڑھنا اور پہاڑا اور حساب انکو سکھایا جاتا تھا، یہ گویا پرائمری تعلیم تھی۔

عام تعلیم تو یہیں ختم ہو جاتی تھی، جو لڑکے آگے پڑھنا چاہتے تھے، وہ یا سنسکرت اس کے بعد سیکھتے تھے، اور پنڈت بنتے تھے، اور یا سرکاری زبان فارسی کی تعلیم حاصل کر لیتے تھے، قصبوں میں فارسی کے مکتب ہوتے تھے، ہندو اور زیادہ تر مسلمان ''میاں جی'' پڑھاتے تھے۔

فارسی کی ابتدائی تعلیم میں بول چال خط وکتابت اور اخلاقی حکایات کی کتابیں داخل ہوتی تھیں، ہندو مسلمان لڑکے ایک ساتھ نہایت میل جول اور یکجہتی کے ساتھ پڑھتے تھے۔ گلستان، بوستان، یوسف زلیخا، انشائے خلیفہ، بہار دانش، اخلاق ناصری، انوار سہیلی، سکندر نامہ، شاہنامہ وغیرہ کتابیں داخل درس تھیں، خوشخطی اور فارسی نویسی سکھائی جاتی تھی فرامین اور دیگر مراسلات سرکاری اور خط شکستہ کے پڑھنے کی عادت دلانے کے لیے پرانے لمبے خطوط کا ایک طومار ''میاں جی'' اپنے پاس رکھتے تھے جس میں سو دو سو خط لمبے جُڑے ہوتے تھے، مکتب کے طالب العلم اُنکو پڑھتے تھے اس کو اسکول کی تعلیم سمجھنا چاہیئے۔

اس کے بعد یا تو لڑکے نوکری کر لیتے تھے اور یا تکمیل کے لیے مشہور اساتذہ کی خدمت میں بڑے بڑے شہروں میں چلے جاتے تھے، ان سے فارسی کی اعلی تعلیم، شاعری، علوم، اور کچھ عربی کی کتابیں پڑھتے تھے، بعض بعض طلبہ تمام علوم مروجہ کی تکمیل کرتے تھے۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں اپنے زمانہ کا نصاب تعلیم یہ بتایا ہے، اخلاق، ریاضیات، حساب، زراعت، اقلیدس، مساحت، ہیئت، رمل، قواعد مال، آئین سلطنت، طب، طبعیات، الٰہیات، اور تاریخ، ہندوؤں کو ان علوم کے علاوہ ویاکرن (سنسکرت صرف ونحو) ویدانت (ہندو تصوف واخلاق)، پاتن جلی (ہندو فلسفہ) بھی پڑھنی پڑتی تھی، ابوالفضل کا بیان ہے کہ اس تعلیم کی بدولت تمام سلطنت آراستہ ومرصع ہوگئی تھی، اس کو اس عہد کے کالج کی تعلیم سمجھنی چاہیئے۔

سطور بالا میں تحصیل کمال اور طلب علم کے لیے جا بجا اساتذہ کی خدمت میں سفر کا جو نقشہ میں نے کھینچا ہے، فارسی تذکروں کے پڑھنے سے یہ خود بخود سمجھ میں آ جاتا ہے۔ ذیل میں منشی لچھمی نرائن دبیر کے حالات تعلیم کی چند سطریں ایک فارسی تذکرہ سے نقل کرتے ہیں۔

> ”جد و پدرش در دہلی بوکالت امرائے عالمگیری و محمد شاہی عز امتیاز داشت، دبیر در طفلی از مولوی شیخ محمد گرفت، در سن دوازدہ سالگی بشوق نظم و نثر در مجلس استفادۂ سراج الدین علی خان آرزو جا گرفت، و برائے تحصیل صرف و نحو نزد لالہ ٹیک چند بہاری رفت، بعد رشد، خدمت علمائے اعلام را التزام نمود و مشغول اکتساب علم طب و دیگر علوم عقلیہ بود (در ۱۲۰۵ھ)

ہندو اور مسلمان طلبہ ان اساتذہ کی خدمت میں جس محبت و یکجہتی کے ساتھ مل کر تعلیم پاتے تھے، اور ”استاد بھائی“ بنکر جو رشتۂ اتحاد باہم قائم کر لیتے تھے، وہ آج کل کے شاندار ایوانوں کے تاریخی زمانہ میں مفقود ہے۔ محمد حفیظ خاں المتوفی ۱۱۹۴ھ ایک نامور استاد تھے، ان کے شاگردان با اخلاص کے نام سنئے، میر ابوالحسن، منشی لچھمن سنگھ، میر کلن، قادر بخش، پنڈت لچھمی رام، محمد اسماعیل، لالہ سکھ رام، منشی کشن سنگھ، محمد تقی، منشی محبوب رائے، دیکھنا! منشی محبوب رائے“ کتنا پیارا نام ہے، کیا یہ ہندو مسلمانوں کے اتحاد باہمی کی عملی دلیل نہیں؟

لالہ چنی داس ذرہ دلی کے ایک مشہور معلم تھے، جن کے مکتب میں ہندو مسلمان لڑکے پڑھتے تھے۔ ہندوستان کے خاتمۃ العلماء مولانا مفتی محمد لطف اللہ صاحب مرحوم کے استاد فارسی، منشی سوہن لال تھے، اور مولانائے مرحوم کے تلامذہ میں جے بہاری لال کایستھ تھے، مولانا کے ایک تلمیذ رشید گواہی دیتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا ہے کہ مولانا کے دوسرے رشید تلامذہ ان کے ساتھ برادرانہ برتاؤ کرتے تھے“۔ (۱۲)

(۳)

تمدن ہند کا مصنف موسیو لیبان اپنی کتاب کے تیسرے باب میں ہندوؤں کے علوم و فنون پر حسب ذیل تنقید کرتا ہے:

''ہم نے تمدن عرب میں جتنے باب علوم وفنون پر لکھے ہیں' ان کی توقع اس کتاب میں نہیں ہوسکتی، چونکہ عربوں نے یونان وروم کے قدیم علمی ذخیرہ کو خود بہت ترقی دی، اور اس کے بعد اس کو یورپ کے دارالعلوموں تک پہنچایا، اس لیے ہمیں ان کے زمانہ حکومت کی علمی ترقیوں میں ایک خاص دلچسپی تھی، اور اس وجہ سے ان ترقیوں کا بیان بھی تفصیل سے کیا گیا تھا۔ ہندوستان کے علوم کی یہ حالت نہیں ہے برخلاف اس کے ان کے علوم کے متعلق جو قدیم رائے تھی اس میں بہت کچھ ترمیم ہوگئی ہے اور ہمیں معلوم ہوگیا ہے کہ ان کے علمی خیالات ان اقوام سے لیے گئے ہیں جن کے ساتھ انکو تعلق پیدا ہوا اور خود ہندوؤں نے اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا پس کسی خاص زمانہ کے ہندی علوم کی تحقیقات کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم ان اقوام کے علوم کی تحقیق کریں جن کا تعلق اس وقت ہند سے تھا اور یہ ایک ایسی بحث ہے جو ہماری کتاب کے مقاصد سے خارج ہے، جو کچھ ہم ہندوؤں کے دماغی حالت کے متعلق لکھ چکے ہیں، اس سے بآسانی سمجھ میں آئے گا کہ انھوں نے کیوں ان علوم میں جو انہیں باہر سے حاصل ہوئے کوئی ترقی نہیں کی، ہندو دماغ جو فلسفہ میں نکتہ رس اور فنون میں تیز فہم ہے اس خاصیت سے جس کا نام مادۂ تحقیق ہے، اور جس کے اوپر علوم کا دارومدار ہے بالکل عاری ہے ہمیشہ سے ہندوؤں میں اصلی علوم کی کمی رہی ہے، ان میں دوسروں کی تحقیقات کو حاصل کرلینے کا تو پورا مادہ ہے، لیکن اس درجے سے یہ کبھی آگے نہ بڑھ سکے، وہ دو قومیں جن سے ہندوؤں نے اپنے علوم اخذ کیے، یونانی اور عرب معلوم ہوتے ہیں، یہ نہیں معلوم ہے کہ یونانی علوم ہند میں کیونکر پہنچے، لیکن شمال وغربی ہند کی عمارات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے تعلقات

بیکٹیریا کے ساتھ مدت دراز تک قائم رہے، بہت ہی قرین قیاس ہے کہ اسی ذریعہ سے یونانی علوم ہند میں آئے "وراہ مہر" جو نہایت قدیم ہندو مہندس ہے اور جو اجین میں چھٹی صدی عیسوی میں تھا، اپنی ہیئت کی کتاب میں یونانی اصطلاحیں استعمال کرتا ہے، اور یونانیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے، عربوں کا علم کس طرح ہند میں آیا اس کا سمجھنا زیادہ آسان ہے، سنہ مسیحی سے بہت پہلے عربوں کے تجارتی تعلقات ہندوستان سے قائم تھے، اور عرب ہی مشرق اور مغرب کے باہم ملنے کے ذریعہ تھے، اس کے بعد جب مسلمانوں نے تمام قدیم دنیا کو فتح کرلیا تو یہ تعلقات مثل سابق کے قائم رہے، اور ہمیں عربی مورخین سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے بغداد کے دربار میں متعدد ہندو علماء موجود تھے، اس سے بھی مابعد زمانہ میں جب مسلمانوں نے ہندوستان پر حکومت حاصل کی تو علمائے اسلام علوم کو برابر ملک میں پھیلاتے رہے، مثلاً گیارہویں صدی عیسوی میں البیرونی نے جسکا زمانہ محمود غزنوی اول فاتح ہندوستان کا ہے، تمام ملک میں سفر کیا اور علوم عربی کو جو اس وقت بہت وسیع ہو گئے تھے، کیونکہ ان میں نہ صرف قدیم دنیا کے علوم موجود تھے بلکہ خود عربوں کی تحقیقات شامل ہوگئی تھی، ہندوستان میں پھیلایا، گیارہویں صدی عیسوی کے بعد سے کہنا چاہئے کہ ہندی علوم سے مراد عربی علوم ہیں، پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندی علوم جن کی ابتداء پانچویں صدی عیسوی میں آریہ بھٹ کی ریاضیات سے ہوئی اور پھر ساتویں صدی میں برہم گپت نے اس پر اضافہ کیا، اس زمانے سے لیکر آج تک انہیں مسائل سے بحث کرتے ہیں جو ہند میں ان دو ذریعوں سے آئے، اس وقت ہمارے پاس ہندو علوم کی مشہور تصانیف موجود ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں نے خود ان علوم میں زیادہ ترقی

نہیں کی، کسی زمانہ میں خیال کیا جاتا تھا کہ ہندوؤں کا علم ہیئت بہت کچھ کامل ہے، اور قدیم ہے، لیکن اب یہ خیالات قائم نہیں رہے، اور ان پر بحث کرنا بے فائدہ ہوگا، اگر ان تصانیف میں کوئی نیا مسئلہ بیان کیا گیا ہے تو محض اشارتاً اور بلا دلیل، مثلاً آریہ بھٹ چند سطروں میں زمین کی محوری حرکت روزانہ کا ذکر کرتا ہے لیکن کسی قسم کا ثبوت نہیں دیتا، اسی طرح بارہویں صدی عیسوی میں بھاسکر چاریہ نے اس طریقہ حساب کی طرف جسکو کیل کیولس کہتے ہیں اشارہ کیا ہے، لیکن اس سے آگے نہ بڑھا۔

جو کچھ اوپر بیان ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں نے علوم میں کسی قسم کی جدت نہیں پیدا کی، جب ان کی ذاتی تحقیقات کچھ نہیں ہے تو پھر ان کے علوم سے بحث کرنا اور محض ایسے مسائل پر ذکر کرنا جو عربوں اور یونانیوں کی تحقیقات سے لیے گئے ہیں محض لاحاصل ہے، اگرچہ ہندو علوم میں کم ہیں لیکن عملی طور پر انھوں نے بہت بڑی ترقی کی''۔

عبارت بالا میں عربوں سے مانسیو موصوف کی مراد ''مسلمان'' ہیں، یہ غلط اصلاح دوسرے یورپین مصنفوں کی زبان وقلم پر بھی چڑھی ہوئی ہے، ہندوستان کے ساتھ قدیم عرب تعلقات کا جو ذکر مصنف نے کیا ہے اس سے اس کا اشارہ اُس زمانہ قبل اسلام کی طرف ہے جب مشرق ومغرب یا ہندوستان وچین اور روم ویونان کے درمیان عرب تاجر سفیر اور متوسط کی خدمت انجام دیتے تھے، یورپ کا مال وہی ہندوستان وچین لیجاتے تھے، اور وہی ہندوستان کی مصنوعات کو یورپ کے ہاتھوں میں دیتے تھے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ قدیم ہندوستان، قدیم عرب کے تمدن سے کسی نہ کسی قدر متاثر ہو۔

اس تاثر کے آثار وعلامات ہندوستان کے سنگی کتبات اور تحریری اوراق دونوں میں ملتے ہیں۔ ہندوستان کی پرانی سے پرانی تحریر اسوقت وہ خطوط او کتبے (انسکرپشن) ہیں جو مگدھ (بہار) کے موریہ خاندان کے راجہ اشوکا (۲۵۳ ق م) کے مذہبی فرامین کی صورت میں

ہندوستان کے پورے طول و عرض میں پشاور سے گجرات و دکن تک پہاڑوں پر اور لاٹوں پر کندہ ملتے ہیں، محققین فن خط (کیرکٹر) کا بیان ہے کہ ہندوستان کا یہ قدیم خط سامی خطوط کی شاخ آرامی خط سے ماخوذ ہے لیکن خطوط کی زبان پالی ہے، یعنی قدیم بہار کی زبان جو بودھ کی مذہبی زبان تھی۔

تمام آرین تحریریں بائیں سے دائیں طرف لکھی اور پڑھی جاتی ہیں، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہ کتبے، سامی تحریروں کی طرح داہنے سے بائیں طرف لکھے ہوئے ہیں، اور اسی طرح سے پڑھے جاتے ہیں یہ اس بات کا دوسرا ثبوت ہے کہ ہندوستان کا قدیم سرمایہ تحریری اپنے وجود و بقا میں عربوں کا ممنون کرم ہے (۱۳)

ہمارے دعویٰ کے ثبوت کے لیے اس سے زیادہ عجیب تر اور نادر تر وہ دستاویز ہے جو مہابھارت (۱۴) کی عدالت عالیہ سے ہم کو مل سکی ہے، ستیارتھ پرکاش کے گیارہویں سمولاس میں سوامی دیانند لکھتے ہیں کہ مہابھارت میں جب کورون نے لاکھ کا گھر بنا کر پانڈوں کو اس کے اندر پھونک دینا چاہا تو بدر جی نے یدھشٹر کو عربی زبان میں بتایا، اور یدھشٹر نے اسی عربی زبان میں ان کو جواب دیا، سوامی جی کا بیان اگر صحیح ہے تو ہم کو نہایت خوشی ہے کہ ہم ملیچھوں کی زبان کسی زمانہ میں اس قدر مقدس بھی تھی کہ دیوتاؤں کے بڑے بڑے اوتار اس کو بولتے تھے، اور اس میں ایک دوسرے سے راز کی باتیں کہتے تھے۔

بہر حال یہ قصے تو تاریخ کی یاد سے پہلے کے ہیں، خدا جانے اب کی بدگمان دنیا ان کہانیوں کو سچ بھی مانے گی یا نہیں، اس لیے ہم کو وہ داستان چھیڑنی چاہیئے جو تاریخ کے ہوش کی باتیں ہیں۔ مسلمانوں کے آفتاب دولت نے ہندوستان کے افق سے طلوع ہو کر ملک میں جو روشنی پھیلائی ہم چاہتے ہیں کہ تاریخ کے نشوزی شیشہ کے ذریعہ سے اس کی تحلیل کر دیں تاکہ ہر صاحب بصیرت کو نظر آ جائے کہ واقعہ کیا ہے، مسلمانوں نے ہندوستان آ کر جن علوم کو پھیلایا اور جس تعلیم کو رائج کیا، بترتیب وار ہم اس کی تشریح کرنی چاہتے ہیں، اس کی بہتر اور آسان صورت یہ ہے کہ اس عہد کے ہندو مصنفین کا جائزہ لیا جائے اور دکھایا جائے کہ

مسلمانوں کے عہد حکومت میں ان کی کیا تعداد تھی، کیا حیثیت تھی، کیا نوعیت تھی، اور کسی پچھلے زمانہ کی تعلیمی حالت کی تشریح کے لیے اس کے سوا کوئی اور تدبیر نہیں۔

ہم کو اس سے انکار نہیں کہ مسلمانوں کے عہد سے پہلے ہندوستان میں مصنفین موجود تھے اور ان کی خاصی تعداد ہے، ان کی ابتدا بودھ مت کے زمانۂ عروج سے ہوتی ہے۔ قدیم ہندوستان میں کہیں کہیں جو مدارس قائم تھے جن کا ذکر چینی سیاحوں نے کیا ہے وہ اسی مذہب کے درسگاہ تھے۔ شنگراچاریہ نے بدھ اور جین مت کو مٹا کر جب ویدک دھرم کا دوبارہ پرچار کیا، اور سنسکرت زبان نے بدھ والوں کی پالی کو ہٹا کر خود اس کی جگہ لینی شروع کی تو اس جوش و ہیجان نے طبیعتوں کو تصنیف و تالیف کی طرف رجوع کیا، اور سنسکرت زبان جو پہلے صرف دعاؤں بھجنوں اور منتروں پر مشتمل تھی وہ علوم و فنون پر بھی حکمراں ہوئی، تاہم مذہبی کتابوں سے قطع نظر کرکے اس کا خالص سرمایہ تحریری اتنا بھی نہیں جو چند الماریوں کی زینت ہو سکے۔ ہر علم پر میتھالوجی اور افسانوں میں ملی جلی دو دو تین تین کتابیں تھی، اس دعوی کی دلیل سنسکرت دان علمائے اسلام (۱۵) اور مستشرقین یورپ (۱۶) کے بیانات ہیں، اور سنسکرت کی سرزمین کی موجودہ پیمائش علمی ہے۔ (۱۷)

مسلمانوں نے ان کو بتایا کہ افسانہ اور کہانی سے الگ کرکے علوم و فنون پر خالص علمی کتابیں بھی لکھی جا سکتی ہیں۔ اکثر قدیم تصنیفات صرف برہمنوں کی ملکیت تھی، وسعت تعلیم نے برہمنوں سے نکل کر ہندوستان کے دوسرے طبقوں کو بھی یہ علمی آزادی بخشی۔ اولاً جیسا کہ ہر نئی چیز کا قاعدہ ہے مسلمانوں کی زبان سیکھنا برہمنوں نے ناجائز قرار دیا تھا، اشلوک بنائے گئے کہ مسلمانوں کی زبان سیکھنا، اور جینیوں کے مندر میں جانا مست ہاتھی کے آگے پڑنے سے زیادہ خطرناک ہے۔ (۱۸) تاہم جیسا کہ پہلے نمبر میں ہم نے بہ تفصیل بیان کیا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ تعصب ہندوؤں سے کیونکر دور ہوا، اور سیکڑوں برس کے بعد سکندر لودی کے زمانہ سے فارسی تعلیم نے ان میں عام اشاعت پائی۔

اسلامی علوم میں سب سے پہلے تاریخ کا ذکر کرتے ہیں:

تاریخ

تاریخ وہ فن ہے جس کی طرف قدیم ہندو دماغ نے کبھی توجہ ہی نہیں کی، لیبان تو کہتا ہے کہ اس کے لیے ہندوؤں کا دماغ ناموزوں معلوم ہوتا ہے(۱۹) آریہ ورت انسانیت کا نہایت قدیم گہوارہ ہے اگر یہاں انسانوں کے پچھلے تاریخی کارناموں کو محفوظ رکھنے کی لیاقت ہوتی تو بہت سے قدیم عقدے آج ہمارے لیے پیچیدہ نہ ہوتے، ہندوستان کی پرانی داستان سننے کے لیے ہم کو یونان اور چین کے سیاحوں کے پاس جانا پڑتا ہے، خود ہمارے گھر میں اپنی دنیا کی پچھلی زندگی سے واقفیت حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ویدوں کے کہنہ اوراق، منوشاستر کے قانونی دفعات، مہابھارت کے رنگین صفحات، رامائن کی پردرد کہانیاں اور اپنشد کی پیاری پیاری باتیں ان میں سے کوئی چیز قدیم ہندوستان کی تاریخ کا ہمکو پتہ نہیں دیتی۔

آغاز عالم سے زمانہ اسلام تک ہندوستان میں جو سیاسی انقلابات ہوئے ملک کے صوبہ صوبہ پر جو حکمران فرمانروائی کر رہے تھے، بڑے بڑے جو عالم، فاضل اور پنڈت پیدا ہوئے ان کے تاریخی حالات کا آج پتہ لگانا چاہو، صحیح تاریخ ولادت، وفات اور سوانح حیات چاہو تو قیاس کے سوا کوئی روشنی تمہاری رہنمائی نہ کر سکے گی، پرانوں سے صرف رشیوں اور منیوں کے کچھ کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ تاریخ نہیں۔

لیکن اسی غیر تاریخی ملک میں جب مسلمانوں کا قدم آتا ہے تو یہاں کا آسمان و زمین بدل جاتی ہے۔ آریہ ورت کا ذرہ ذرہ چمک اٹھتا ہے، مسلمان سلاطین، امرا، علما، شعرا اور دوسرے اکابر رجال کو چھوڑ کر مسلمان مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے خود ہندو راجاؤں، پنڈتوں، شاعروں اور امیروں کے حالات اس قدر لکھے ہیں کہ یہ بآسانی دعوی کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہزار ہا سال جو ہندو قوم پر گذرے، اس زمانہ کے (میتھالوجیکل) تمام ہندو علما اور امرا کی فہرست جتنی طویل بنائی جا سکتی ہے مسلمانوں کی آمد کے بعد صرف آخری ۵۰۰ برس کے عرصہ میں اس سے دوچند بلکہ سہ چند بڑی فہرست مع احوال تاریخی پیش

کی جاسکتی ہے۔ صرف تیموریوں کے زمانہ میں جو ہندو امراء اور علماء گذرے ہیں ان کے حالات و بیانات دو تین جلدوں میں سما سکتے ہیں۔ ہندو فارسی شعراء کے نام و سوانح باایں ہمہ قومی بیگانگی، ہمارے فارسی تذکرے جو خاص مسلمانوں کے قلم سے نکلے ہیں اسقدر سنا سکتے ہیں کہ آپ سنتے سنتے گھبرا اٹھیں گے۔

آج یورپ کے دعوی آزادی و مساوات کے شور و ہنگامہ نے دنیا کو چھالیا ہے۔ ممالک مفتوحہ میں اشاعت تعلیم کی یہ کثرت انکا بیان ہے کہ صرف ہمارے دور حکومت کی خصوصیت ہے، ہم کہتے ہیں بجا ہے، اور درست ہے، جاؤ اور انگریز قلم کے تصنیفی فہرست کا ایک ایک ورق پڑھ ڈالو، ان کی انسائیکلو پیڈیائیں الٹ ڈالو، ان کی تاریخ اور تذکروں کو چھان ڈالو، اس تفحص، اس تلاش، اور اس محنت کے بعد ہم کو بتاؤ کہ مغرور انگریز قلم کے آبحیات نے تمہارے کتنے علماء، فضلا، اور شعراء کے نام زندہ کیۓ ہیں اور کتنے اس قابل سمجھے گئے ہیں کہ حکمراں قوم اپنی شاہی زبان میں اور اس پریس کے عہد میں ان کے تذکرے لکھے (۲۰)، پھر کیا ظالم، بت شکن، اور ملیچھ مسلمانوں کی یہ علمی آزادی و مساوات نہ سمجھی جائے گی کہ انھوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں قوموں کے فضلا کو ایک نظر سے دیکھا اور اس حکمراں قوم نے اپنی شاہی زبان کے علمی درباروں میں دونوں کو پہلو بہ پہلو جگہ دی۔

علاوہ ازیں مسلمانوں کے تاریخی ذوق نے ہندوؤں میں اس فن کی تعلیم و ترقی کا وہ جوش پیدا کیا کہ آج بھی اگر یورپ اور ہندوستان کے کتبخانوں کا جائزہ لیا جائے تو ایک بڑا گراں قیمت سرمایہ فراہم ہوسکتا ہے۔ ہمارے سامنے تو اس وقت یورپ اور ہندوستان کے مادی کتبخانے نہیں صرف حیدرآباد، بانکی پور، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، اور لندن کے کتبخانوں کی فہرستوں کے معلومات ہیں، تاہم انھوں نے ہندو زبان کے فارسی مصنفین کے (جو عہد اسلامی کے علمی و تعلیمی کوششوں کے نتائج عملی ہیں) حالات بہم پہنچائے ہیں کس قدر حیرت افزا ہیں سب سے پہلے ہم کو اس عہد کے ہندو مورخین کا تذکرہ کرنا ہے۔

راج ترنگنی: پیش نظر مواد جہاں تک ہماری اعانت کرتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی

سب سے پہلی تاریخ جو کسی ہندی قلم نے لکھی وہ کشمیر کی تاریخ راج ترنگنی ہے، یہ کتاب ہندی میں سلطان زین العابدین والی کشمیر کے زمانہ میں لکھی گئی تھی، (۲۱) (سلطان ۸۲۶ھ میں تخت نشین ہوا تھا) مصنف کا نام کلھانا ہے۔ اکبر جب کشمیر گیا ہے تو یہ کتاب اس کے دربار میں پیش کی گئی، اور اس کے حکم سے اس کا فارسی میں ترجمہ ہوا۔ ابوالفضل کا بیان ہے کہ اس میں کشمیر کے متعلق پانچ ہزار برس کا حال لکھا ہے، والیان کشمیر کے درباروں میں تاریخ نویسی کا خاص عہدہ تھا اور یہ کتاب اسی کوشش کا ثمرۂ نورس تھی (۲۲)

اصل متن کتاب فرانس اور ہندوستان میں چھپ گئی ہے (۲۳) اور فارسی نسخہ بھی مطبوع ہے۔

لال جی داس: بابا لال گرو شاہجہان کے زمانہ میں ایک عارف جوگی تھے شہزادۂ داراشکوہ انہیں کا مرید تھا۔ لال جی داس، بابا لال گرو کا چیلا تھا، بابا کا سنہ پیدائش ۱۰۱۴ھ ہے، ۱۰۵۹ھ تک وہ زندہ تھے، لال جی داس نے ۱۱۵۸ھ میں گرو کے حالات وملفوظات کو فارسی میں جمع کیا، گورنمنٹ کلیکشن لائبریری میں اس کا ایک نسخہ ۱۴ جلوس عالم شاہی کا لکھا ہوا موجود ہے۔

بنوالی داس ولی: شہزادہ داراشکوہ کا میر منشی تھا، بعضوں نے اس کا نام بھوانی داس لکھا ہے، کتبخانہ آصفیہ کے فہرست نویس نے ولی رام گوسائیں داراشکوہی نام بتایا ہے۔ بنوالی اور بھوانی تو کتابت کی تصحیف ہے، ولی اس کا تخلص نام میں داخل ہوگیا ہے، اس نے شاہان دہلی کی تاریخ لکھی ہے، کتاب کا نام راجاولی ہے، کتاب مستند ہے اور بہت سی معتبر کتابوں میں اس کے حوالے ہیں، اس کے قلمی نسخے اکثر کتبخانوں میں موجود ہیں۔

رائے بندرابن: رائے بھارامل کا بیٹا تھا، بھارامل نے ۲۰ جلوس شاہجہانی میں حسن خدمات کے صلہ میں رائے کا خطاب پایا تھا۔ داراشکوہ نے اس کو اپنا دیوان مقرر کیا تھا، اس کے بیٹے بندرابن کو عالمگیر نے تربیت کیا اور رائے کا خطاب بخشا، بندرابن نے لب التواریخ کے نام سے اپنی ایک بہترین یادگار چھوڑی ہے۔

ایسر داس: قوم ناگر، پٹن کا باشندہ تھا، وہ خود کہتا ہے کہ بچپن سے ۳۰ سال کی عمر تک وہ

قاضی شیخ الاسلام ابن عبدالوہاب المتوفی ۱۰۹۶ھ کی خدمت میں حاضر ہوکر تحصیل علم کرتا رہا ہے۔ امراء اور اعیان دولت جو قاضی صاحب کی خدمت میں آیا کرتے تھے ان کے مباحثات اور گفتگوؤں کو بغور سنتا تھا اور ان سے فوائد حاصل کرتا تھا، تکمیل علم کے بعد ایسر داس، شجاعت خان حاکم گجرات کی وساطت سے جودھ پور کا امین مقرر ہوا، وہ ہاتھ جو ۳۰ برس تک صرف قلم سے مانوس رہا تھا، تلوار کے قبضہ پر بھی مضبوط تھا، اس نے میدان جنگ میں کامیابی حاصل کی ، بادشاہ کی طرف سے میرٹھ میں اس کو جاگیر عنایت ہوئی اور دوبست و نیم صدی افسر مقرر رہا، عہد عالمگیری کے امن وامان میں ہمارا فوجی افسر پھر وہی ۳۰ سال کا نوجوان طالبعلم نظر آتا ہے اور فتوحات عالمگیری نام ایک بڑی تصنیف اپنی یادگار چھوڑتا ہے۔

بھیم سین کایستھ: رگھونندن داس اس کے باپ کا نام تھا، ۲۳ جلوس شاہجہانی (۱۰۵۹ھ) برہانپور دکن میں پیدا ہوا تھا، اس کا ایک عزیز بھگند اس عالمگیر کے دربار میں دیوان تھا، اور دیانت رائے کے خطاب سے ممتاز تھا، بھیم سین نے بندیلہ کے حاکم راؤ دلپت کی سرکار میں نوکری کی، راؤ دلپت دکن کی لڑائیوں میں نہایت کارآمد سردار ثابت ہوا تھا، عالمگیر نے راؤ کے خطاب کے ساتھ تین ہزار فوج کا افسر بنا دیا۔

بھیم سین گو کایستھ تھا لیکن قلعہ نالڈرک کی قلعہ داری اس نے نہایت خوبی سے کی۔ ۱۱۲۰ھ میں نوکری سے مستعفی ہوکر اپنے وطن میں گوشہ نشین ہوگیا، اور اب موقع آیا کہ تلوار کی بجائے قلم کا حق ادا کرے، دلکشا کے نام سے عہد عالم گیری کی تاریخ لکھی جو ابتک موجود ہے۔

نرائن کول عاجز: باشندۂ کشمیر، اپنی تصنیف کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ ایک مدت سے شرفائے کشمیر کا تقاضہ تھا کہ ان کے وطن کی ایک تاریخ لکھ دوں، بالآخر بزرگان وطن کے اصرار سے مجبور ہوکر میں نے یہ بار امانت اٹھالیا اسی زمانہ میں عارف خان کشمیر کے دیوان اور نائب صوبہ دار کے حکم سے ملک حیدر نے سنسکرت سے کچھ مواد فراہم کیا تھا وہ میرے حوالہ کیا گیا۔ میں نے اس کو دیکھا تو قابل اصلاح نظر آیا، بالآخر اصل سنسکرت سے مقابلہ کرکے اس کو بھی اپنی کتاب میں شامل کرلیا، ۱۱۲۲ھ میں تاریخ کشمیر تکمیل کو پہنچی۔

منشی ہیرامن گردھر داس: معتمد خان کے منشی تھے معتمد خان نے بھائیوں کی لڑائی میں عالمگیر کا ساتھ دیا تھا، امن وامان کے بعد ۱۰۷۱ھ میں وہ گوالیار کا حاکم مقرر رہوا، منشی ہیرامن نے اس تقریب سے اسی زمانہ میں گوالیار نامہ کتاب لکھی جس میں راجہ بکرماجیت کے ۳۳۲ برس بعد سے لیکر معتمد خان کی حکومت کے زمانہ تک گوالیار کی تاریخ مرتب کی۔

جسونت رائے: ولد بھگونت رائے، ولد سندر داس منشی لاہوری فارسی زبان کا فاضل اور شاعر تھا پہلے پرول خان کے یہاں نوکر تھا، ۱۱۱۸ھ میں کرناٹک گیا اور نواب سعادت اللہ خان کے دربار میں رسائی پیدا کی اور ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا، نواب نے قدردانی کی اور جسونت رائے نے وہیں سکونت اختیار کرلی، اور سعید نامہ کے نام سے نواب سعادت اللہ خاں اور ان کے خاندان کی تاریخ لکھی۔

منشی ٹھاکر لال: ولد بھوج داس کایستھ، ماتر ضلع برہان پور کا رہنے والا تھا، ۱۱۳۹ھ میں اس نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ''دستور العمل شاہنشاہی'' رکھا' اس میں اس نے ہندوستان اور دکن کے واقعات بطور فہرست ترتیب دیئے ہیں۔

منشی سوجان رائے کھتری: یہ شہنشاہ عالمگیر کے زمانہ میں تھا، خلاصۃ التواریخ کے نام سے ایک نہایت ضخیم او مفصل تاریخ ابتدائے عالم سے لیکر شہنشاہ اورنگزیب کے عہد تک لکھی، اور اس کوشش اور محنت سے لکھی کہ وہ مستند کتابوں کی فہرست میں داخل ہے، منشی موصوف اپنے کو پٹیالہ کا رہنے والا بتاتا ہے، اس کتاب کا قلمی نسخہ حیدرآباد اور لندن کے کتبخانہ مشرقی میں موجود ہے، ۱۱۰۷ھ میں وفات پائی۔

بندرابن داس: بندرابن داس بہادر شاہی، بہادر شاہ اول کے درباری متوسلین میں تھا، ۴۰ جلوس عالمگیری مطابق ۱۱۱۵ھ میں اس نے خلاصۃ التواریخ نام کتاب لکھی، اس میں ہندوستان کی تاریخ آریوں کے قدیم زمانہ سے لیکر عہد عالمگیر تک ترتیب دی ہے، عربی آمیز فارسی عبارت اس خوبی سے لکھی ہے کہ ایرانی قلم کا اس پر دھوکا ہوتا ہے، مقدمہ میں اپنے ماخذ گنائے ہیں، واقعات کا نہایت استقصا کیا ہے، اس کتاب کا ایک نادر نسخہ ۱۲۳۸ھ کا لکھا

ہوادیسنہ (بہار) کی الاصلاح لائبریری میں موجود ہے۔

جگ جیون داس: ولد منوہر داس، باشندۂ گجرات محمد معظم شاہ کی سرکار میں ڈاک کا مہتمم تھا۔ چونکہ خفیہ سرکاری کاغذات اس کی نظر سے گذرتے تھے اس لیے اس کو واقعات کے جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ ۱۱۱۹ھ میں بہادر شاہ اول نے لاہور کے دربار میں باریابی بخشی اور وقائع نگاری کی خدمت پر اس کو مامور کیا۔ ۱۱۲۰ھ میں اس نے اپنی محنتوں کا ثمرہ منتخب التواریخ کے نام سے لکھ کر پیش کیا اس کے صلہ میں دربار شاہی سے خطاب وخلعت وانعام حاصل ہوا۔

کامراج: ولد نین سنگھ، پھپھوند ضلع اٹاوہ اس کا وطن تھا، شہزادہ محمد اعظم کی سرکار میں مالوہ میں اس کو حاضری کا موقع ملا، اعظم الحرب کے نام سے اس نے شہزادہ کی لڑائیوں کے حالات لکھے۔ کامراج دیباچہ میں لکھتا ہیکہ بہت سے واقعات خود شاہی وقائع نگار نے اس کے لیے بہم پہنچائے۔ مصنف نہایت اخلاص اور عقیدت مندی کے ساتھ اپنے کو تیموری دربار کا تین پشت سے نمکخوار بتاتا ہے۔

کشن چند اخلاص کھتری: شاہجہان آبادی، شاگرد مرزا عبدالغنی قبول کشمیری، اس کا باپ اچل داس فارسی کا شاعر تھا، کشن چند نے ہمیشہ بہار کے نام سے ۱۱۳۶ھ میں تذکرہ شعراء لکھا۔ اس میں اکبر سے لے کر محمد شاہ کے عہد تک کے فارسی شعراء کے حالات وسوانح ہیں یہ تذکرہ اسقدر مستند ہے کہ علامہ آزاد بلگرامی خزانۂ عامرہ کی تالیف میں اس کو اپنا ماخذ قرار دیتے ہیں اور علانیہ اس سے استفادہ کا اعتراف کرتے ہیں، اس کتاب کے نسخے بانکی پور اور حیدرآباد کے کتبخانوں میں ہیں۔

لال رام: باپ کا نام دولہ رام اور دادا کا نام رائے کنجمن، رائے کنجمن عالمگیر کے عہد حکومت میں کسی عہدہ پر ممتاز اور رائے کے خطاب سے مشرف تھا، دولہ رام بھی رائے کے خطاب سے مخاطب اور عہدہ داران شاہی میں داخل تھا، خود لال رام محمد شاہ کی سرکار میں نوکر تھا، ۱۱۴۸ھ میں تحفۃ الہند ایک مستند تاریخی کتاب لکھ کر دربار شاہی میں تحفہ پیش کی۔

خوشحال چند: کسی زمانہ میں شاہ عالم گیر کے شاہی دربار کا دیوان تھا، ۱۱۶۴ھ اس کی تاریخ

وفات ہے۔ اس کی وفات کے بعد اس کی جگہ اس کے بیٹے کو ملی۔ تاریخ نادر الزمانی خوش حال چند کی بہترین تصنیف ہے۔

ہیرا لال خوش دل: یہ غالباً دکن کا باشندہ ہوگا۔ قطب شاہیہ دکن کی اس نے منظوم تاریخ لکھی ہے، زمانہ وجود معلوم نہیں، دسویں صدی ہجری کے آخر میں یا گیارہویں صدی کے اول میں اس کو ہونا چاہیئے، قطب شاہیہ کا زمانہ حکومت یہی ہے۔ یہ کتاب بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتبخانہ میں ہے۔

مہاراجہ کلیان سنگھ: کلیان سنگھ کا دادا رائے ہمت سنگھ دہلی کا ایک کایستھ، امیر الامراء صمصام الدولہ کی سرکار میں دیوان تھا، اس کے بیٹے شتاب رائے نے بڑا عروج حاصل کیا، دربار شاہی سے ممتاز الملک مہاراجہ شتاب رائے بہادر منصور جنگ کے نام سے مخاطب تھا، اور سلطنت کی طرف سے صوبۂ بہار کا ناظم (گورنر) مقرر ہوا تھا۔ خود بھی فاضل تھا اور فضلائے وقت کا قدر دان بھی تھا، ۱۱۸۷ھ میں اس نے وفات پائی تو اس کا بیٹا انتظام الملک ممتاز الدولہ مہاراجہ کلیان سنگھ بہادر تہور جنگ کے نام سے صوبہ کی نظامت (گورنری) پر مامور ہوا۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح علم دوست تھا، خلاصۃ التواریخ اس کی تصنیف ہے، جس میں امیر تیمور سے لیکر اپنے زمانہ تک کے حالات اس نے لکھے ہیں، اس کی دوسری تصنیف واردات قاسمی ہے جو نظامت بنگالہ کی تاریخ ہے۔

شیو داس لکھنوی: شیو داس نے شاہنامہ منور کلام کے نام سے فرخ سیر (۱۱۲۴ھ) اور محمد شاہ (۱۱۳۱ھ) کے زمانہ تک کے حالات لکھے ہیں۔ دربار شاہی میں بہت دنوں تک یہ منشی (سکریٹری) کے عہدہ پر ممتاز رہے ہیں۔

روپ نرائن: ولد ہری رام کھتری، متوطن سیالکوٹ، اس نے ۱۱۲۹ھ میں ہندوؤں کے مقدس مقامات کے حالات و کیفیات لکھے، کتاب کا اصلی نام "برج مہاتم" اور تاریخی نام مخزن العرفان ہے۔

رائے چتر من: قوم کایستھ سکسینہ، اس نے وزیر الممالک غازی الدین خاں کی فرمائش سے

ہندوستان کی تاریخ لکھی، اور اس کا نام چار گلشن رکھا، یہ کتاب چار گلشنوں پر منقسم ہے، گلشن اول بادشاہ ہند کے حال میں، گلشن دوم صوبوں کے حال میں، گلشن سوم دہلی سے چاروں طرف بڑے بڑے شہروں تک جو سڑکیں گئی ہیں، ان کی پیمائش اور ایک ایک منزل کا حال، (یہ باب اس کتاب کا سب سے اہم حصہ ہے) گلشن چہارم میں ہندو فقیروں اور جوگیوں کے حالات اور سلسلے۔ ۱۱۷۳ھ میں یہ کتاب اتمام کو پہنچی۔

درگا داس: باپ کا نام شیو شنکر داس، سفینۂ عشرت ایک فارسی تذکرہ کا مصنف ہے۔ ۱۱۷۵ھ میں یہ تذکرہ تالیف پایا، عجب نہیں کہ یہ حزیںؔ کا شاگرد ہو۔

آنند روپ: ضلع نارنول (مدراس) کا ایک برہمن تھا، کھالوجی بھونسلا کے دربار میں کچھ دنوں نوکر رہا تھا، نصیر الملک نصیر جنگ کے معاملہ میں ناگپور سے الہ آباد آیا، یہاں اس نے ۱۱۸۲ھ میں میزان دانش لکھی جو ''جگ'' کے اعتبار سے چار حصوں میں منقسم ہے۔

منا لال: ولد بہادر سنگھ، اس نے شاہ عالم کے دور حکومت کی تاریخ لکھی ہے کتاب کا آغاز ۱۱۸۴ھ سے ہوتا ہے، جب شاہ عالم نے الہ آباد سے دلی کا رخ کیا ہے۔

رائے کیول رام: ولد رگھناتھ داس اگروال، اطراف دلی میں قصبہ کسنا اس کا وطن تھا، ۱۱۸۴ھ میں اُس نے تذکرۃ الامراء نام ایک کتاب لکھی، دیباچہ میں بیان کیا ہے کہ یہ کتاب شاہی روزنامچوں اور وقایع ناموں سے مرتب کی گئی ہے۔

دلپت رائے: مخاطب بہ راؤ دلپت سنگھ، اس کا مولد احمد آباد گجرات ہے، اس کا باپ گلاب رائے یہاں متصدی تھا، دلپت رائے عربی، فارسی، سنسکرت، پراکرت اور بھاکا زبانوں میں کامل دستگاہ رکھتا تھا، ۷۵ برس کی عمر میں جے نگر (جے پور) آیا اور مہاراجہ مادھو سنگھ کے حکم سے ملاحت مقال لکھنی شروع کی اور ۱۱۸۱ھ میں مہاراجہ کے مرنے کے بعد اس کو تمام کیا۔

(۴)

گذشتہ اوراق میں ان ۲۷ ہندو فضلاء کے نام گنائے گئے ہیں جو تاریخ کے فن میں

ممتاز ہوئے ہیں، باجود اس کے کہ تمام معلومات سامنے نہ تھے۔ یہ داستان اتنی پھیلی کہ عدد سابق میں پوری نہ ہو سکی، جہاں سے یہ کہانی چھوٹی تھی وہیں سے اب پھر شروع ہوتی ہے۔

بندرابن خوشگو: قوم ویش، باشندہ متھرا، اپنے زمانہ کے مشہور اساتذۂ فن کا شرف تلمذ حاصل تھا۔ سراج الدین علی خان آرزو، مرزا عبدالقادر بیدل، محمد افضل سرخوش اور شیخ سعد اللہ گلشن کی صحبتیں اٹھائی تھیں، نظم و نثر دونوں میں کمال حاصل تھا، سفینۂ خوشگو اور تذکرۃ المعاصرین دو تذکرے لکھ کر نواب عمدۃ الملک امیر خان کی سرکار میں پیش کئے۔ نواب نے قدر دانی کی اور دو روپیہ روزانہ وظیفہ مقرر کیا، نواب کی وفات کے بعد ترک دنیا کر کے عظیم آباد پٹنہ میں اقامت اختیار کی، ۱۱۷۰ھ میں وفات پائی، کتبخانہ بانکی پور میں اس تذکرہ کا جو نسخہ ہے وہ علامہ آزاد بلگرامی کا مملوکہ ہے، اور انہیں کی فرمائش سے ۱۱۸۳ھ میں نقل کیا گیا ہے، گل رعنا کے مولف نے اس تذکرہ سے فائدہ اٹھایا ہے۔

پنڈت کرشنا نند: پنڈت آنند کہن کا بیٹا تھا، اس نے تاریخ شاہان ہند کے نام سے ایک کتاب لکھی، اس کا متعین زمانہ نہیں معلوم، لیکن ۱۸۰۳ء یعنی تقریباً ۱۲۱۷ھ میں موجود تھا۔

بدھ سنگھ: قوم کھتری، اس نے سکھ فرقہ کی تاریخ ۱۱۷۸ھ سے اپنے زمانہ تک لکھی ہے، اس کو اس کتاب کی تالیف میں لالہ عجائب سنگھ سے بہت مدد ملی، کتاب کا نام رسالہ نانک شاہ ہے، سن تالیف معلوم نہیں۔

رگھوناتھ: غالباً مرہٹہ ہے اس نے ۱۷۷۴ء میں حالات مرہٹہ کے نام سے انکی تاریخ لکھی۔

شیو پرشاد: نواب فیض اللہ خان روہیلہ کی سرکار میں نوکر تھا، ۱۱۹۲ھ میں اس نے تاریخ فیض بخش کے نام سے روہیلہ پٹھانوں کی تاریخ لکھی۔

مکند رائے: اس نے راجہ ہولکر کے سیاسی خطوط کا فارسی میں ترجمہ کیا، ایک نسخہ کتبخانہ آصفیہ میں ہے خط ہولکر نام ہے ۱۱۹۰ھ سن تالیف ہے۔

موہن لعل انیس: ولد رائے تولا رام قانون گو، قوم کایستھ، باشندۂ لکھنؤ، فارسی شاعری میں مرزا فاخر مکین کا شاگرد تھا، انیس الاحباء کے نام سے ۱۱۹۳ھ میں اس نے مرزا مکین اور ان

کے تلامذہ کا ایک دلچسپ تذکرہ لکھا، اس تذکرہ میں مرزا مکین کے چھ ہندو شاگردوں کے بھی حالات ہیں۔

ہرنام سنگھ: ولد گورداس سنگھ، ملانوہ نواح لکھنؤ کا باشندہ سروتی برہمن تھا بچپن سے عین الدین خان حاکم بریلی کے زیر سایہ رہا، تاریخ سعادت جاوید اسکی بہترین یادگار ہے، عین الدین خان کا زمانہ حکومت بریلی ۱۱۹۵ھ سے ۱۱۹۹ھ تک ہے۔

رنچھور جی: ولد امر جی دیوان، رنچھور جی نے ۱۸۲۴ء مطابق ۱۲۳۸ھ میں تاریخ سورت لکھی، اس میں جوناگڑھ اور ناگر قوم کے حالات درج کئے ہیں۔

لچھمی نرائن شفیق: لاہور وطن تھا، اس کا دادا عالمگیر کے ساتھ مہم دکن میں گیا، اور اورنگ آباد دکن میں سکونت اختیار کر لی، اس کا باپ رائے منسارام نواب آصفجاہ کا دیوان تھا، لچھمی نرائن شفیق ان ہندو فضلاء میں سے ہے جن کی قابلیت اور علم پر زمانہ فخر کرسکتا ہے۔ علامہ آزاد بلگرامی کا شاگرد اور عالی جاہ بہادر کے سلک ملازمین میں داخل تھا، تاریخ کا ذوق استاد آزاد سے وراثت میں پایا تھا، چنانچہ اس فن میں اس کی متعدد تالیفات ہیں گل رعنا اور شام غریباں دو شعراء کے تذکرے ہیں، ۱۲۰۴ھ میں حقیقتہاے ہندوستان لکھی، خلاصۃ الہند بھی اسی کی تصنیف ہے، تواریخ آصفی اس کی پانچوں تالیف ہے لیکن سب سے بہتر اور عمدہ تر تصنیف بساط الغنائم ہے جس میں اس نے مرہٹوں کی تاریخ قلمبند کی ہے۔

ہرسکھ رائے: جیون داس کا بیٹا اور بسنت رائے کا پوتا، قوم کھتری وطن لاہور، اس نے اپنے ماموں سری نرائن کے مشورہ سے ۱۲۱۴ھ میں مجمع الاخبار لکھنی شروع کی، اور ۱۲۲۰ھ میں اس کو اختتام کو پہنچایا اس سے چند سال پیشتر ۱۲۱۱ھ میں زبدۃ القوانین نام ایک نہایت کارآمد اور پر معلومات کتاب لکھ چکا تھا اس کا ذکر آگے آئے گا۔

منشی منا لال: ولد منشی بہادر سنگھ، دفتر خالصہ شاہی کے منشی تھے شاہ عالم کے روزنامچہ لکھنے پر مامور تھے، یہ روزنامچۂ شاہی، کتبخانہ بانکی پور میں موجود ہے، اس سے منشی موصوف کی لیاقت تحریر اور قوت مشاہدہ ثابت ہوتی ہے۔ روزنامچہ کا آخری ورق شاہ عالم کے صحیفۂ حیات کے

اختتام پر (۱۲۲۱ھ) تمام ہوتا ہے۔

رائے امر سنگھ خوشدل: ولد جیون رام کایستھ، اصلی وطن کٹرہ مانکپور تھا، نواب شجاع الدولہ کے عہد میں سرکار غازیپور کا ناظم (حاکم اعلیٰ) تھا، امر سنگھ نہایت لائق اور فاضل تھا، تعلیم سے فارغ ہو کر مہاراجہ اجیت سنگھ راجۂ بنارس کی سرکار میں نوکر ہوا، اور آخر سرکار کمپنی کی طرف سے علی گڑھ کا ناظم مقرر ہوا، اس نے تاریخ فرمانروایان ہنود لکھی ہے جو آغاز سے لے کر سلطان علاء الدین غوری کے زمانہ پر ختم ہوئی ہے، اس کی دوسری تاریخی تصنیف بزم خیال ہے۔ جس میں خاص مشاہدات اور احوال موجودہ کی بنا پر اپنے ملک کے حالات لکھے ہیں۔ اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ۱۲۱۰ھ تک ساتھ ساتھ انگریزوں کے حالات بھی لکھتا گیا ہے۔ ۱۲۲۵ھ میں وفات پائی۔

دولت رائے: منشی دولت رائے کایستھ، بہاول خان المتوفی ۱۲۲۴ھ بانی ریاست بہاولپور کے مصاحب خاص تھے بہاولپور کا خاندان عباسی ہے، اس مناسبت سے مرآۃ دولت عباسیہ کے نام سے بہاولپور کی تاریخ لکھی، ۱۸۵۰ء میں یہ کتاب چھاپی گئی تھی۔

رائے بھگوان داس: کایستھ متخلص بہ ہندی، ولد دلیپت داس، ساکن کالپی، تعلیم و تربیت لکھنؤ میں ہوئی، مولوی سید یوسف سہارنپوری سے تحصیل علم کی، نواب آصف الدولہ کی سرکار میں معزز عہدہ پر ممتاز ہوئے پھر معتمد الدولہ مہاراجہ ٹیکت رائے دیوانِ شاہ اودھ کے مصاحبوں میں داخل ہو گئے۔ دو تذکرے ان کی علمی زندگی کی یادگار ہیں۔ حدیقۂ ہندی اور سفینۂ ہندی، حدیقہ میں گذشتہ شعراء اور سفینہ میں معاصرین کے حالات ہیں۔ اس کی تالیف کا زمانہ ۱۲۱۹ھ ہے۔

موہن سنگھ: موہن رائے ہلکر کی سرکار میں ملازم تھا، عربی و فارسی علوم میں مہرۂ وافر رکھتا تھا، آقا کی فرمائش سے وقائع ہلکر کے نام سے ملہر راؤ ہلکر (ریاست اندور) کے حالات لکھے ۱۲۲۳ھ میں یہ کتاب ختم ہوئی۔

منشی چھتر مل: ولد رائے پران چند اس کی سب سے نادر تصنیف تو دیوان پسند ہے جس میں

مالیات ہند پر اس نے بحث کی ہے لیکن اس کی تاریخی تصنیف عمارات الاکبر ہے، نام سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر آباد کی عمارتوں کا حال ہوگا اس کی پہلی تصنیف ۱۲۲۵ھ کی لکھی ہوئی ہے، اس سے زمانہ معلوم ہوسکتا ہے۔

بساون لال شاداں: بلگرام کا باشندہ امیر الدولہ محمد امیر خان کے دربار میں نائب میر منشی تھا، اور اسی کے حکم سے ۱۲۴۰ھ میں امیر نامہ لکھی، یہ درحقیقت امیر خان کی سوانح عمری ہے۔

سندر لال کول: ولد نوبت رائے، متھرا کا باشندہ دفتر خالصہ میں میر منشی تھا، ۱۲۴۱ھ میں اس نے گل بیجزاں لکھی جو چار ابواب پر منقسم ہے، تین پہلے ابواب میں دہلی، متھرا، اور بندرابن کے حالات ہیں، اور چوتھے میں افسانہ ہے۔

منشی سدا سکھ لال: متخلص بہ نیاز، نجف خان کے زمانہ میں یہ آگرہ کے سررشتہ دار تھے، ۱۲۲۴ھ میں ۶۵ برس کی عمر میں دلی چھوڑ کر الہ آباد آ گئے تھے، مرزا قتیل، میر تقی، و خواجہ میر درد وغیرہ کے معاصرین میں تھے، الہ آباد میں منتخب التواریخ نام ایک کتاب لکھی، سرہنری الیٹ اپنی تاریخ میں اسکا حوالہ دیتا ہے۔

بہادر سنگھ: ہزاری مل کا بیٹا اور پچھی چند کا پوتا تھا، اصل وطن گو شاہجہاں آباد تھا، لیکن الہ آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی، یہاں عربی، فارسی اور ہندی کی تاریخی کتابوں سے مواد فراہم کر کے یادگار بہادری کے نام سے تمام دنیا کی تاریخ لکھی۔ اس کا سال اختتام ۱۲۴۹ھ ہے۔

رتن سنگھ: منشی الملک فخر الدولہ دبیر الملک راجہ رتن سنگھ زخمی، جائے پیدائش لکھنؤ، قوم کایستھ، اس کا خاندان تین پشت سے دربار اودھ میں معزز عہدوں پر ممتاز تھا، رتن سنگھ بہت بڑا فاضل اور علامۂ وقت تھا، اس کے اصلی کمالات فلسفہ کے زیر عنوان ظاہر ہوں گے، اس کا دادا راجہ بھگوان داس آصف الدولہ کا ایام شاہزادگی میں اتالیق تھا اور عہد حکومت میں دیوان تھا۔ رتن سنگھ نے منجملہ اور تصنیفات کے سلطان التواریخ نام کتاب شاہان اودھ کی تاریخ میں لکھی۔ ۱۲۵۸ھ میں ساٹھ برس کی عمر میں یہ کتاب اس نے ختم کی۔

رام سیتا سنگھ: متخلص بہ فکرت، اس نے منشی سیتل سنگھ بیخود کے حالات میں حقیقتہائے بیخود

کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ۱۸۴۸ھ میں چھپ کر شائع ہوئی۔

پنڈت بشن نرائن: مولف نظارۃ السند، فن تاریخ میں ہے، زمانہ نہیں معلوم، لیکن ایشیاٹک سوسائٹی میں اس کا جو نسخہ ہے وہ ۱۸۵۹ء کا لکھا ہوا ہے۔

لالہ سیتل چند: آگرہ میں رہتے تھے، غدر سے بہت پہلے مدرسۂ آگرہ میں مدرس تھے، انھوں نے تعریف العمارات کے نام سے نہایت محنت، کاوش اور تحقیق سے اکبرآباد، آگرہ کی ایک ایک عمارت کا حال لکھا، اور اس کے نقشے شامل کئے یہ کتاب نہایت مفید اور پُر از معلومات ہے، لالہ صاحب غدر سے بہت پہلے مدرسۂ آگرہ میں مدرس تھے۔

منشی مہتاب سنگھ: قوم کایستھ، متوطن کانپور، مولف تاریخ ہزارہ، اس کا قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ہے۔

گردھاری لال: مولف تاریخ ظفر دکن، اس کا قلمی نسخہ کتبخانہ آصفیہ میں ہے، حال و سنہ نہیں معلوم، فلسفی کے لقب سے مشہور تھے۔

راجہ کندن لال: اپنے زمانہ کے مشہور فاضل تھے، فلسفی کے لقب سے مشہور تھے، دہلی وطن تھا، ۱۲۳۷ھ میں قسطاس لکھی، ان کی ایک تاریخی تصنیف تنقیح الاخبار ہے جس میں زیادہ تر خود اپنے حالات لکھے ہیں۔

تین اور چار دو نمبروں میں ۴۷ ہندو مورخوں کا تذکرہ ہوا، ان کے زمانوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ صرف ڈھائی سو برس کی مدت کے اندر پیدا ہوئے ہیں، یہ تعداد ابھی بہت کچھ بڑھ سکتی ہے، کیونکہ ہندوستان کے سیکڑوں ہزاروں ذاتی کتبخانوں کے معلومات حاصل کرنے کے ذرائع ہمارے پاس نہیں ہیں، بہت سی ایسی کتابیں ہیں جو جاہل خاندانوں کی غفلت کی نذر ہو گئی ہیں، تاہم اتنی مختصر تعداد سے بھی ہم کو تسلی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس اسکولوں اور کالجوں کے عہد میں سوا سو برس کے اندر انگریزی کے ہندو مورخین اتنے بھی پیدا نہ ہو سکے۔

پھر اس نکتہ کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے، آج انگریزی تاریخ کی کچھ کتابیں جو بنگالی

یا دکنی برہمن مصنفوں کے قلم سے نکلی ہیں، وہ صرف یونیورسٹیوں کے سہارے پر لکھی گئی ہیں، کہ وہ کورس میں داخل ہو سکیں اور ان سے کچھ تاجرانہ منافع حاصل ہو، لیکن گذشتہ شاہی زمانہ کے مصنفوں کی یہ حالت نہ تھی، انکا محرک یا محض شوق علمی تھا یا سلاطین اور امرائے ملک کی قدر شناسی۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ با ایں ہمہ آجکل تاریخ کی جو کتابیں ہندوستانیوں نے لکھی ہیں یا لکھی جا رہی ہیں وہ زیادہ تر کتابوں کی ورق گردانی اور اگلے مصنفوں کی دانائی کے ساتھ نقل صوت ہے، وہ صحیفہ فطرت کے مطالعہ کے بعد نہیں، بلکہ محض کتبخانوں کی الماریوں کی تلاش کے بعد لکھے گئے ہیں۔ وہ دنیا کی وسیع فضا میں چل پھر کر نہیں بلکہ بلند ایوان لائبریریوں کے قید خانوں میں بیٹھ کر ترتیب پائی ہیں۔ اپنی آنکھوں سے مشاہدۂ حقائق اور استنباط نتائج کی بنا پر نہیں لکھی گئی ہیں بلکہ صرف اپنی دماغی محنت و کاوش اور کتابی تلاش و تفحص کی مدد سے، لیکن جن اگلے ہندو مورخوں کا ہم نے تذکرہ کیا ہے ان کی تصنیفات زیادہ تر مشاہدۂ فطرت، معائنۂ حقیقت اور مطالعۂ واقعات کے نتیجے ہیں۔

ان مصنفین کے حالات پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان میں زیادہ تر ایسے تھے جو شاہی دفاتر کے ذمہ دار افسر تھے، ان میں بہت سے دفتر شاہی کے منشی، وقائع نویس اور دیوان تھے، ان کی نگاہ سے سلطنت کا کوئی راز چھپا نہ تھا۔ سیاسی، انتظامی، اور مالی ایک ایک جزئی واقعہ پر ان کو عبور تھا، اسلیے وہ جو کچھ دیکھتے تھے وہی لکھتے تھے، اور یہی سبب ہے کہ ان کو اپنے تاریخی اوراق کے مرتب کرنے کا سب سے بہتر موقع ملتا تھا۔

(۵)

ہندو فارسی شعراء

محکوم قوموں کو حاکم قوم کی زبان سے کسی طرح استغنا نہیں ہو سکتا، مسلمانوں کے عہد حکومت میں فارسی ہندوستان کی سرکاری زبان تھی، اور اب انگریزی ہے، اس زمانہ کے

طرز حکومت کے لحاظ سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ فارسی زبان کے سیکھنے کے لیے محکوم قوم کو کبھی مجبور نہیں کیا گیا، اور آج جس معاش کی مجبوری سے ہم کو انگریزی پڑھنی پڑتی ہے کل بھی یہی حالت تھی، بہر حال کسی سبب سے بھی ہو سکندر لودھی کے زمانہ سے ہندوؤں کو فارسی کی جانب توجہ ہوئی اور اس میں اس درجہ انہوں نے ترقی کی کہ ایک انگریز مورخ کے بقول ''ہندوؤں اور مسلمانوں میں فارسی زباندانی میں کوئی فرق نہیں رہا (۲۴)''

آج بھی انگریزی تعلیم اسی سرعت اور تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے جہاں تک گذشتہ اور موجودہ زمانہ کے مقابلہ سے ثابت ہوتا ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ باایں ہمہ نظم واہتمام، جدوجہد، سعی وکوشش، اور زر پاشی واسراف جدید تعلیم کا وہ نتیجہ نہیں پیدا ہوا، جو پہلے پیدا ہوا، یہ ممکن ہے کہ مکتب اور تعداد کے لحاظ سے آج کل کی سرکاری زبان کے جاننے والے زیادہ ہوں لیکن کیفیت اور اثر کے لحاظ سے گذشتہ تعلیم زیادہ مفید کارآمد اور موثر تھی، اس کے اسباب میرے خیال میں حسب ذیل ہیں،

(۱) تعلیم مفت تھی، صرف طلب نہ تھی،

(۲) اساتذہ شفیق باپ اور مرشد کی حیثیت رکھتے تھے، آجکل کی طرح ''اجرت گیر اور پیشہ ور معلمین'' نہ تھے۔

(۳) زبان تعلیم سے نہیں بلکہ اہل زبان کی صحبت اور مجلس سے حاصل ہوتی ہے۔

اس زمانہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی معاشرت، صحبت اور سوسائٹی میں کوئی امتیاز نہ تھا، روز وشب کی صحبتیں رہتی تھیں، مجلسیں تھیں ایک سوسائٹی تھی، نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کو فارسی زبان باتوں باتوں میں آجاتی تھی، اسی کا یہ اثر ہے کہ اب تک اسکولوں اور کالجوں میں ہندو طلبہ فارسی کو سہل وآسان سمجھ کر اختیار کرتے ہیں، اور سنسکرت کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دیتے ہیں، گو رفتہ رفتہ قوی تعصب کا رنگ اب تعلیمی تفریق وامتیاز بھی پیدا کرتا جاتا ہے۔

بہر حال یہ واقعہ ہے، جس کی کوئی تکذیب کی جرأت نہیں کر سکتا کہ ادبی حیثیت سے فارسی تعلیم نے ہندوؤں پر جو اثر ڈالا وہ انگریزی تعلیم باایں ہمہ ہمہ گیری نہ ڈال سکی، سو

ڈیڑھ سو برس کے عرصہ میں کتنے ایسے انگریزی کے باکمال شاعر گذرے ہیں جن کا نام تاریخ کے صفحات میں زندگی حاصل کر سکا ہے یا کرے گا، جو نام کے سامنے ہیں ان کی تعداد ۵ یا ۶ سے زیادہ نہیں، اور یہ بھی زیادہ ہے، لیکن دیکھو کہ صرف تیموریوں کے آخر زمانہ میں صرف دو ڈھائی سو برس کے اندر فارسی زبان کے کتنے ایسے ہندو شعراء گذرے جن کے نام اب تک ہمارے تاریخی تذکروں کے فخر و مباہات کے باعث ہیں، جن کے اشعار کو سن سن کر اہل زبان سر دھنتے تھے اور مزے لیتے تھے، آج انگریزی کے دو تین ہندوستانی شاعر جن کی اہل زبان نے کچھ تعریفیں کر دی ہیں، یا ان کو کوئی انعام مل گیا ہے، فرنگی مدح و ستائش کے گیت گاتے گاتے ہماری زبانیں خشک ہو گئی ہیں، لیکن ذرا اپنے اسلاف کو دیکھو کہ ان کے کیا کارنامے تھے؟ میں نے چند فارسی تذکروں کو سامنے رکھ کر حسب ذیل اشخاص کا انتخاب کیا ہے، ان کی ترتیب زمانہ اور دور پر نہیں بلکہ حروف تہجی پر ہے، ان میں سے ہر ایک نے سلاطین زمانہ اور ابنائے عصر سے اپنی زبان آوری کی داد آج سے بہتر طریقہ پر پائی تھی۔

اس احتیاط کی بنا پر کہ تذکرہ نویسوں کے اصلی الفاظ محفوظ رہیں، اور زیادت و نقص اور کمی و بیشی کا شبہ نہ ہو اصل عبارت فارسی ہی اس مقام پر نقل کرنا زیادہ مناسب ہے۔

آرام: منشی ایشری داس قوم کایستھ در زمرۂ منشیان سرکار امیر الامرا نواب غضنفر جنگ رئیس فرخ آباد انسلاک داشت۔ نظم و نثر بفصاحت و بلاغت مشتمل بر لطائف و صنائع و بدائع لفظی و معنوی می نگاشت، از نثرش بعض وقائع و سوانح بنظر گذشتہ حق آنست کہ بکمال لطف و خوبی نگاشت، در مدح نواب عماد الملک نیز نظام الملک آصف جاہ باستیصال سورج مل جاٹ گفتہ،

بفرّ کوکبۂ بخشیٔ ممالک ہند سزد کہ باج ز خوارزم و زختن گیرند
شہان ز صولت آن جم وقار آصفجاہ رکاب تو سن شاہنشہ زمن گیرند
جوان و صاحب بخت جوان نظام الملک کہ باد ہمت از و مردم دکن گیرند
برید گردن بلوئے فتنہ ساز نخست چنانکہ صبح سر شمع در لگن گیرند

آفرین: میتن لال قوم کایستھ ساکن الہ آباد، در رنگینی و مضمون آفرینی سحر کاری می نمود۔

مبارک باد مرغانِ چمن را   نوا سنجان رنگین انجمن را
کہ عید نو بہار آمد طرب جوش   نوی گل کرد دورانِ کہن را

اخلاص: کالی پرشاد قوم کایستھ متوطن حوالی لکھنؤ، مشق نظم و نثر فارسی از مولوی احسان اللہ ممتاز امامی نمود، بعد مرگش کلام منظوم و منثور اُو پریشان گردید، قصیدہ در مدح محمد علی شاہ اودھ برشتۂ نظم کشیدہ، کہ بصنعت توشیح از ہشت جا محمد علی شاہ بادشاہ زمان خلد اللہ ملکہ برآوردہ و از خزانۂ شاہی ہزار روپیہ بجائزہ بُردہ۔

الفت: راجہ الفت رائے بخشی ملک اودھ، دستگاہش براصناف نظم و قصیدہ و غزل و رباعی و مثنوی قوی بسکہ موزون طبع بود۔

نیست اہل آسمان را بر درت بے اذن بار   می کند گردون طوافِ روضہ ات لیل و نہار
ہر چہ ناممکن بود آید زتو بر روئے کار   از غبار در گہہِ عرش احترامت آشکار

الفت: لالہ اجاگر قوم کایستھ عظیم آبادی است، برائے اصلاح سخن بخدمت میر محمد علیم سمرقندی می رسید۔

در آمد شام غم در سینہ حسرت نام مہمانی   زداغ دل کشیدم بے تکلف پیش او خوانی

الفتی: راجہ پیارے لال قوم کایستھ از موزونان عظیم آباد است، مثنوی نیرنگ تقدیر و دیوان اشعارش مطبوع طبائع، میر منشی بادشاہ اکبر ثانی بود، و با ارباب کمال طریقۂ الفت و خلق مرعی می نمود۔

چون غنچہ جز سکوت بنا شد بیان ما   پیچیدہ شد زبانِ سخن در دہان ما
اندیشۂ رمال   نیامد زما درست   در دست دیگریست چو سود و زیان ما
در دشت پر بلائے جنون نیست الفتی   جز موج ریگ و اشک روان کاروان ما

امانت: لالہ امانت رام از شاگردان مرزا بیدلؔ و در انداز سخن سنجی بہنجار اُستاد خود مائل۔

نمی گردد بلند از خاک ہم بادِ مزار ما   کہ بنشیند مبادا بر دل خوبان غبار ما

شکر للہ نقش پاے مہ جبینے یافتم   آرزوے سجدہ می کردم زمینے یافتم

اندرمن: پسر کنول رام مولدش قصبۂ اورنگ آباد از اعمال علی گڑھ، استفادۂ علم فارسی از شیخ نظام الدین سکندرآبادی کردہ در موزونی طبع وسخن سنجی نام برآوردہ، ہر چند در عین جوانی نابینا شد مگر قوت حافظہ اش چندان افزود کہ سائر نظم ونثر خودش نوک زبان بود۔

صد جلوہ در کرشمۂ آن ماہ پارہ است   این ماہ نو ز ابروے او یک اشارہ است

انس: لال چند کایستھ، لکھنوی، از و دیوانے مختصر یادگار، ۱۲۶۸ھ

روح جمشید برد رشک بہ مے نوشی ما   کہ لب یار بود مایۂ بے ہوشی ما
جائے رحم است خدارا نتواں کرد دریغ   ہست وابستۂ تیغ تو سبکدوشی ما

انیس: موہن لال شاگرد مرزا فاخر مکین، نام پدرش رائے تولا رام کایستھ صاحب دیوان فارسی،

بدر: رائے گنگا پرشاد بہادر از زمرۂ کایستھان فہمیدہ وسنجیدہ شہر لکھنؤ است، بحضور واجد علی شاہ عہدۂ سررشتہ دار در علم سیاق وسباق سر یمی آرد،

می کنم سجدۂ بتے کہ کند   ہر نفس دعوے خدائے ہا
از خم طرہ اش معاذ اللہ   من و اندیشۂ رہائے ہا

برہمن: چندر بھان آگرہ در سرکار داراشکوہ منشی داشت، بعد قتل وے ترک نوکری ماندہ بشہر بنارس رفت، ۱۰۷۳ھ مرد،

کنم زسادہ دلی بند دیدہ مژگان داشت   بمشت خس نتوان بست راہ طوفان را

بہار: ٹیک چند کامش دل پسند، تتبع زبان فارسی بدرجہ قصوئی رسانیدہ، کتاب بہار عجم (لغت) وجواہر الحروف از و دست، از ارشد تلامذہ سراج الدین علی خان آرزو۔

جانب او دل ببالد اضطرابم می پرد   ذرہ ام بے طاقتی تا آفتابم می پرد

بہجت: مکھن لال صاحب دیوان بہجت:

تفتہ: منشی گوہر لال تفتہ، برہمن، خیلے پرگوست، کلام منظوم بسیار پنج دیوان شعر دارد، ابیات ہر یکے از ان قریب سیزدہ ہزار کل ۶۵ ہزار۔

چند گوئی کہ نشان نیست ز خونین کفنان   مگر این لالہ کہ بینی ز شہیدان تو نیست

تمنا: مکن لال کایستھ از شکوہ آباد است، دیوان و مثنویش ہمگی، ۱۵ ہزار بیت است،

ثاقب: مہاراجہ شیو پردھان جی گوپال سنگھ بہادر، از کا-تھان سری باسپت است، پدرش منشی بنی پرشاد سررشتہ دار دیوان عام سلطانی اودھ بود، شیو پردھان سرکار و بار دیوانی شہزادۂ صاحب جنرل فریدون قدر مرزا ہز برعلی اودھ بود، تاریخ اودھ کہ نام تاریخی او دفتر ثاقب و نسخۂ تاریخ دہلی کہ نام تاریخش حقیقت تیموریہ تالیف آن سخندان و مجموعہ نادرات الثاقب و مثنوی مخبر ہمت از منظومات آن است۔

حیا: شیورام اکبرآبادی کایستھ، پدرش بھگوتی مل از متصدیان سرکار نواب اسد خان وزیر عالمگیر بادشاہ مشق شعر و سخن از مرزا بیدلؔ نمود، نسخۂ گلگشت بہارارم بطرز چہار عنصر مرزا بیدلؔ بمستعدی تمام نگاشتہ، ۱۱۴۴ھ وفات یافت:

بیاد چشم تو داریم مے پرستیہا
رسانده ایم بگردون دماغ مستیہا

خوشدل: رائے امر سنگھ ولد جیون رام کایستھ از کٹرہ مانکپور، جیون رام در سرکار وزیر الممالک نواب ابوالمنصور خان صفدر جنگ، در زمان نواب شجاع الدولہ، بہ نظامت سرکار غازی پور مامور گردید، رائے امر سنگھ بعد تحصیل علوم و فنون اولاً در سرکار مہاراجہ اجیت سنگھ راجۂ بنارس و آخر در سرکار انگریزی بدیوان علی گڑھ کامران گشت در ۱۲۲۵ھ درگذشت بہار دانش نظم، و نسخہ تاریخ فرمانروایان ہنود تا سلطان علاء الدین غوری از وے یادگار است اشعار دیوانش تخمیناً پنج ہزار است:

گرم است بسکہ نالۂ آتش فشان ما
سوزد برنگ شمع زبان در دہان ما

خیالی: منشی خیالی رام لکھنوی، در نظم و نثر فارسی قدرتش علی دجہ الکمال، و تالیفاتش کہ زاید از یکصد و از انجملہ شرح اعجاز خسروی، در ۱۲۸۹ھ بگذشت، قصیدۂ در مدح واجد علی شاہ وصفت نور منزل نوشتہ کہ از حروف اوائل مصاریع اولی سنہ ہجری و از حروف اوائل الفاظ آخر سنہ فصلی و از مصاریع ثانیہ سنہ عیسوی و سمت ہندی۔

خاموش: رام صاحب المتوفی ۱۲۲۹ھ اس کے فارسی دیوان کا قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ

میں ہے۔

راقم: بختاور سنگھ لکھنوی، بشیرین گفتاری ازممتاز ان گروہ ہندو، پسرش جواہر سنگھ جوہؔر از پدر خود خوشگو۔

رحمتی: کنور سکھراج سنگھ بہادر، خلف کنور ہیرالال ضمیؔر، پسر راجہ پیارے لال الفتی:

گر بہ حجرش دلِ سودازدہ غمناک شود   جامۂ صبر زبیتابیِ من چاک شود

رفعت: سیکولال لکھنوی، طبعش بشعر وسخن مائل ومشق این فن از مولوی نذیر احمد می نمود۔

رفیق: داتارام، طبعش باموزوں توام ولب ولہجہ اش باخوش بیانی ہمدم:

نگار من برخِ خویش چون نقاب گرفت   فتاد شور کہ امروز آفتاب گرفت

رونق: منشی رام سہائے لکھنوی نظم شعر فارسی بلطافت می نوشت، ۱۲۹۰ھ وفات، دیوان شعر و مثنویات ازوے یادگار، غزلے نوشتہ در چہار بحر۔

زار: منشی میدہ لال در شہر لکھنؤ در نظم ونثر فارسی شاگردانش بسیار دیوان فارسی و رسائل عروض معنی و بحر العلوم و ہفت صحیفہ بطرز پنج رقعہ، ونادر بازار بر تتبع مینا بازار و جاوید بہار۔

سبقت: سکھراج پدرش بملازمت عمدة الملک بہادر وزیر بادشاہ عالمگیر معزز است از مستعدان روزگار بود ودر علوم ادبیہ وحکمیہ وحساب وطب وتصوف از اقران گوئے سبقت بُرد بر انواع نظم ومعما وتاریخ قدرت داشت شاگرد بیدؔل، ودر سرکار سید حسین علی خان کار دیوانی و میر سامانی سرانجام دادہ بہ منصب پانصدی رسیدہ جنگ نامہ حسین علی خان قریب ہفت صد اشعار ازوے یادگار۔

سروری: رائے بنسی دھر نواسہ بخشی الممالک راجہ لال جی بہادر نظم ونثر فارسی را پیش مولوی احسان اللہ بہ مشق رسانید:

نامم بمعنی و سخن امروز سروری ست   مداح آلِ سرور وشیدائے سرورم

شادان: مہاراجہ چندولال دیوان دولت آصفیہ حیدرآباد بزم مجمع اہل کمال مطلع ارباب سخن در ہر شب مجلس شعر وسخن برپا می ساخت درفن شعر پایۂ بلند داشت۔ فارسی دیوان چھپ گیا ہے،

یہ مہاراجہ کشن پرشاد کے پردادا تھے، ۱۲۵۴ھ میں وفات پائی۔

شفیق: منشی لچھمی نرائن کھتری اورنگ آبادی شاگرد مرزا آزاد، دو تذکرۂ شعراء دارد گل رعنا وشام غریباں صاف گو خوش بندش است، اصلش از لاہور است، پدرش بھوانی داس ہمراہ عالمگیر وارد دکن گردید در اورنگ آباد سکونت گزید، شفیق در سلک ملازمان عالیجاہ خلف نواب نظام علی خاں منظم گردید، در ۱۲۰۰ھ مرد۔

شوق: منشی دولت رائے نبیرۂ راجہ بھولا ناتھ از زمرۂ منشیان بیت الانشاء شاہی اودھ ممتاز قصیدۂ بلیغہ گفتہ، درصنعت عکس وتجع دروی گفت، بہ ہمراہی شاہ واجد علی مع اہل وعیال کلکتہ بیامد، ۱۲۷۰ھ مرد:

از حسن فروغ از در حسن تو جہان را داغ تو چراغ است دل پیر و جوان را

شہر: لالہ بالمکند مانکپوری در ۱۲۵۰ھ بگذشت، طبع نکتہ سنجی ونظم گوئی داشتہ:

مکن اشکِ مرا بیقدر اے مژگان تر رحمے برین طفل غذا پروردۂ خون جگر رحمے

صاحب رام: بخن سنج فارسی در تاریخ گوی ملکہ داشت، درعہد سلطنت شاہ غازی الدین حیدر علم شہرت می افراشت، در تاریخ وفات غازی الدین حیدر بادشاہ کہ در مقام نجف شہر لکھنؤ مدفون است می گوید:

چون رفت شہ زمن زدنیا ماتم دل خاص و عام بگرفت
ازروے بکاء و آہ گفتم حیدر نجف مقام بگرفت
۱۲۴۳ھ

ضیائی: راجہ گوبند بخش ضیائی، المتوفی ۱۲۲۵ھ انکا نہایت عمدہ فارسی دیوان کتبخانہ آصفیہ میں ہے۔

عشرت: جے کشن از براہمۂ کشمیر در سخن طرازی سلیقہ اش نیکو، مدتے بملازمت نواب نجم الدولہ امیر خان، دیوان خالصۂ شریفہ بقانون گوئی تمام خطۂ کشمیر سرافراز:

دشت از لالہ بسکہ رنگین است پائے دیوانہ، دست گلچین است

گلشن: راجہ جیالال بہادر خوش فکر صاحب دیوان، بدیوان انشاء ابوالفتح محمد علی شاہ اودھ سر دفتر منشیان۔

گلشن: رائے گلاب رائے سندیلوی، شاگرد قتیل، در ریاست اودھ متعہد عہد ہائے جلیلہ، در استعداد علمی بیعدیل، در فنون سپہگری فاقد المثال، تذکرۂ شعراء ضخیم و دیوانے حجیم یادگار:

آنکس کہ از زبان تو حرف جفا شنید　　گویا پیام خضر ز آبِ بقا شنید

مشتاق: لالہ بیجناتھ بریلوی۔

مطیع: لالہ رام بخش قنوجی۔

ممتاز: لالہ سیتل داس در نازک خیالی ممتاز، بلب و لہجہ اہل زبان پرداز بود۔

منشی: منشی مادھو رام شاہجہان آبادی، در سرکار نواب لطف اللہ خان بن سعد اللہ خان شاہجہانی بعہدۂ انشاء امتیاز داشت، رفتہ رفتہ امیر الانشاء معز الدین جہاندار بن بہادر شاہ مشرف:

نمی رسد بمیان صنم زباریکی　　ہزار بار بدقت شگافتم مورا

منشی: لالہ فتح چند برہانپوری کایستھ طبع نظم دارد و خوشگواست۔

نیست آسائش بمنزل جان از خود رستہ را　　ہر قدم دام است نقش پا شکار جستہ را
بسکہ از شرم تو در پرواز رنگِ گلشن است　　رشتۂ نظارہ بندہ در ہوا گلدستہ را

منوہر: رائے منوہر لال از امرائے سلطنت اکبر بادشاہ است، طبع متین و رائے رزین داشت، رباعی

روز یکہ سموم حشر افزون گردد　　در آتشِ غم چو چہرہ گلگون گردد
مادر دوزخ چنان بذوقے سوزم　　کز رشک دل بہشتیان خون گردد

موجد: سکھن لال بدایونی:

چہ شکیبم چہ کنم چون نزنم سر بر سنگ　　مدتے شد کہ ز جانان خبرے پیدا نیست

موجد: لالہ کالکا پرشاد لکھنوی بموزونی طبع و رسائی ذہن امتیاز داشت و خط نستعلیق خوشتر و شیرین می نگاشت باصطلاحات و محاورات زبان فارسی بخوبی ماہر:

رسائی نیست تا سر منزل او کفر و ایمان را　　کہ دیر و کعبہ، سنگ رہ بود گبر و مسلمان را

موجی: لالہ موجی رام۔

موزون: راجہ رام نرائن عظیم آبادی، پدرش بدیوانی سرکار نواب مہابت جنگ عزت داشت، بعدہ باین عہدۂ موروثی رسید، در جنگ پامردی نہاد، دیوان اشعارش، شاگرد شیخ محمد علی حزین ۱۱۷۰ھ۔

موزون: راجہ مدن سنگھ اٹاوی، پدرش راجہ جگت سنگھ دست توسل بدامن دولت نواب غازی الدین خان آویخت، وبمنصب سہ ہزاری وبخطاب راجگی، وبعہدۂ دیوانی نواب ممدوح، مدن سنگھ در سرکار نواب آصفجاہ دکن مستوفی الممالک بود ودر عہد ناصر جنگ منصب دو ہزاری وعلم ونقارہ وخطاب راجگی یافت ومعمور بحراست قلعہ مصطفےٰ نگر گردید، تا آنکہ افواج انگریزی محاصرہ ویورش برآن قلعہ نمود راجہ تا توانست پاے برجاماند، بصدمہ تفنگ بعمر ۵۰ سال ۱۱۷۹ھ جان داد، در نظم ونثر فارسی استعداد اوے نیکو داشت:

می رسد عرضِ قدمبوس از بہار آئینہ را　　کرد گلشن جلوهٔ رنگین یار آئینہ را

نقاد: پنڈت جے گوپال کشمیری از آشنایان قاضی محمد صادق اختر بودہ، شاگرد قتیل۔

وامق: کھتری بود بہ برکت صحبت مولوی عبداللہ بن عبدالحکیم سیالکوٹی مشرف باسلام شدہ محمد اخلاص خاں مخاطب گردید، وبملازمت اورنگ زیب رسید وبوکالت بعضے از امراء می شناخت، نظم ونثر فارسی چنان خوبتری نوشت کہ اورنگ زیب زبان باحسنت وآفرین می کشود، در جوانی میل بشعر وشاعری داشت بعد ازان بافادۂ علوم وفنون، طبیعت گماشت ۱۱۴۳ھ مرد:

شیشۂ مے بہ بغل آبلۂ دل شدہ است　　محتسب مے کشی از دست تو مشکل شدہ است

وفا: پنڈت دیاناتھ ولد مست رام کشمیری شاگرد مرزا علی اکبر عارف شیرازی می نمود۔

وقار: مدیر الدولہ منشی الملک راجہ جوالا پرشاد بہادر جنگ، امیر الانشاء امجد علی وواجد علی شاہان اودھ باوجود چندین اقتدار حرف در شتے نسبت کسے نگفتہ، در نظم ونثر فارسی صاحب استعداد است، دیوانش مطبوع،۔

ہندو: شیو سنگھ لکھنوی۔

ہندو: گوکل چند قوم کھتری فرخ آبادی۔

(۶)

ہندو ادبائے فارسی

ہندو ادبائے فارسی اس کثرت سے گذرے ہیں کہ ان کا شمار بھی حیطۂ امکان سے باہر ہے ان میں بہت سے اچھے لکھنے والے انشاپرداز تھے، اور ایسے بھی تھے جو محض دفتری ضرورت کے مطابق اس زبان میں نوشت وخواند کر سکتے تھے، ہندوؤں کے دوسرے فرقوں کی بہ نسبت کایستھ ذات نے فارسی زبان کی تحصیل میں کثرت تعداد کے لحاظ سے زیادہ ناموری حاصل کی، لیکن اصل زباندانی اور جوہر سخن کے لحاظ سے برہمنوں نے زیادہ کمال پیدا کیا، خصوصاً آخر زمانہ میں کشمیری برہمنوں نے جس طرح آجکل بنگالیوں کی انگریزی زبان کو ''بابو انگریزی'' کہتے ہیں، اسی طرح مسلمانوں کے عہد حکومت میں ''کایستھوں کی فارسی'' اور ''لالاؤں کی فارسی'' مشہور تھی۔

دفاتر میں زیادہ تر ہندو ہوتے تھے، محکمۂ انشاء (سکریٹریٹ) اور مال کے صیغے تمام تر ہندوؤں کے ہاتھ میں تھے، آخر زمانہ میں انشاء کے اعلیٰ افسر بھی ہندو ہونے لگے تھے، جن کو عموماً میر منشی اور از روے خطاب منشی الممالک کہتے تھے، ان عہدوں پر جو ہندو سرفراز ہوتے تھے وہ فارسی زبان کے لائق ادیب ہوتے تھے، بادشاہ کی طرف سے ہر قسم کے احکام وفرامین انہیں کی زبان وقلم سے ادا ہوتے تھے وقایع نویسی کی خدمت پر بھی زیادہ تر مامور ہوتے تھے۔

ہندو ادبا کے یہ فرامین، منشآت اور رقعات جب زیادہ جمع ہو جاتے تھے اور ان کی مقبولیت عام ہو جاتی تھی تو وہ بطور کتاب کے یکجا جمع کر دیے جاتے تھے، ان میں سے بعض مجموعے اس درجہ مقبول و ہر دلعزیز ہوتے تھے کہ وہ طالبعلموں کے نصاب تعلیم میں داخل کر لیے جاتے تھے، چنانچہ منشآت برہمن، انشائے مادھورام، منشآت جواہر مل خطاط، خیالات نادر، دستور الصبیان وغیرہ اسی قسم کی کتابیں ہیں۔

اس واقعہ کا بہ تکرار کئی دفعہ گذر ہو چکا ہے، کہ ہندوؤں نے فارسی تعلیم لودھیوں کے

زمانے سے شروع کی چنانچہ فارسی کا سب سے پہلا ہندو ادیب بھی اسی زمانہ میں ہم کو ملتا ہے:

پنڈت ڈونگر مل: ایک بزرگ لکھتے ہیں کہ پنڈت ڈونگر مل سکندر لودھی کے زمانہ میں تھے ان کی فارسی زباندانی پر مسلمان بھی تعجب کرتے تھے، کبھی کبھی فارسی شعر بھی کہتے تھے، چنانچہ ان کا یہ ایک شعر ارباب تذکرہ نقل کرتے ہیں:

رہ گم نشدے زلف تو ابتر نشدے گر
دل خون نشدے چشم تو خنجر نشدے گر

ٹوڈرمل: کھتری تھا، شیر شاہ کے عہد میں فارسی تعلیم حاصل کی، اور دربار تک رسائی پائی، شیر شاہی کاروبار کے انقلاب کے بعد اکبری نورتن میں شامل ہوا جہاں مال کا صیغہ اس کے ہاتھ آیا، ٹوڈرمل فارسی کا خوشخط کاتب بھی تھا، تذکرۂ خوش نویسان میں ہے۔

”نویسندۂ چابکدست وخطوط بخوشخطی ونمکی می نوشت“

اس عہد کے دیگر ادبا کا تذکرہ اس لیے قلم انداز کرتے ہیں کہ انکا ذکر دوسرے سلسلوں میں آچکا ہے۔

رائے منوہر لال: رائے لون کرن کا خلف الرشید تھا، شہزادہ سلیم (جہانگیر) کے آغوش تربیت میں پل کر جوان ہوا اور فارسی زبان میں یہ سلیقہ پیدا کیا کہ اہل تذکرہ اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔

چندر بھان برہمن: اس کا ذکر پہلے بھی گذر چکا ہے، یہ عہد شاہجہانی کا سب سے بڑا ہندو ادیب تھا، یہ پنجابی برہمن تھا لاہور میں پیدا ہوا تھا، ملا عبدالکریم کی شاگردی میں اس کے فضل و کمال نے نشو ونما حاصل کیا تھا، فارسی زبان کا شاعر تھا، اور برہمن تخلص کرتا تھا، اس کا فارسی دیوان اب تک کتبخانوں میں موجود ہے فارسی ادب میں بڑی دستگاہ حاصل کی تھی، افضل خان امیر الامرائے شاہجہانی نے اس کی لیاقت وقابلیت کو دیکھ کر اس کو اپنا منشی خاص (پرائیوٹ سکریٹری) بنایا۔ ۱۰۴۸ھ میں افضل خاں نے وفات پائی تو وہ دربار شاہی کے سلک ملازمین میں داخل ہوا، اور دربار شاہجہانی کا وقایع نویس یعنی شاہی تاریخ و روزنامچہ کا چیف ایڈیٹر مقرر ہوا، اس عہدۂ جلیلہ کے باعث وہ روزانہ بارگاہ شاہی میں حاضر ہوکر ہر روز کے مرتبہ

واقعات وحالات سناتا تھا ۱۰۵۵ھ میں چندر بھان نے چہار چمن برہمن لکھ کر نوروز کے موقع پر سرہند میں دربار شاہجہانی میں نذر گذرانی، اس کی لیاقت وادب دانی کو دیکھ کر شہزادہ دارا شکوہ نے جو خاص طور پر ہندوؤں کے جوہر کمال کا قدردان تھا اس کو اپنے اعیان دربار میں داخل کرلیا، اور اپنا میر منشی (چیف سکریٹری) مقرر کیا، داراشکوہ کی تباہی کے بعد حوادث زمانہ سے تنگ آکر بنارس میں گوشہ گزین ہوگیا، اور یہیں ۱۰۷۳ھ میں راہی عدم ہوا، تذکرۂ عمل صالح کا مصنف اس کو اپنے زمانہ کے فضلائے ادب میں شمار کرتا ہے اس نے اپنے رقعات و منشآت کا مجموعہ بھی فراہم کیا، اس کا نام منشآت برہمن ہے، خوشخطی میں آقا عبدالرشید کا شاگرد تھا۔

ہرکرن داس: ولد متھراداس، قوم کنبوہ، باشندۂ ملتان، ۱۰۳۱ھ میں زندہ تھا، فارسی علم ادب میں جو دستگاہ اس نے حاصل کی تھی اس کی شہادت یہ ہے کہ وہ امرائے جہانگیری میں سے اعتبار خان صوبہ دار اکبرآباد کا میر منشی تھا، انشائے ہرکرن کے نام سے اس نے فارسی ادب کی ایک کتاب لکھی تھی جو اب تک بعض کتب خانوں میں موجود ہے۔

وامق کھتری: امرائے عالمگیری میں سے ایک کا وکیل (ایجنٹ) تھا، اس کے نظم ونثر اور ادب فارسی کی یہ دھوم تھی کہ شہنشاہ عالمگیر جو خود ایک بلند پایہ ادیب تھا، احسنت وآفرین کہتا تھا۔

شیورام کایستھ: اکبرآباد کا باشندہ تھا، اس کا باپ نواب اسد خان وزیر عالمگیر کا متصدی تھا، مرزا بیدلؔ کا شاگرد تھا، مرزا کی چہار عنصر کا جواب گلگشتِ بہار ارم کے نام سے اس نے لکھا تھا، ۱۱۴۴ھ میں وفات پائی۔

کنور پریم کشور: راجہ جگل کشور کا پوتا، شاعر، لطیفہ گو، سخن فہم، خوشنویس تھا، چند مثنویوں کا مصنف ہے۔

منشی لچھمن سنگھ: قوم کے بقال تھے، نہایت ہوشمند، عاقل، اور عربی وفارسی کے ادیب تھے، ایرانیوں کی صحبتیں اٹھائی تھیں، اور مشہور ایرانی انشاپردازوں کے طرز پر لکھتے تھے، صاحب تذکرۂ خوشنویسان لکھتا ہے:

> ”مردِ دانا قابل، درعلم وہنر فارسی وعربی وعبارت پردازی خیلے مہارت داشت ودرصحبتِ مرزایان ایران بسیار ماندہ دل ودماغ دیگر پیدا کردہ، وطور انشاء بروئے طاہر وحید، وطاہر دکنی وجلالا اختیار کردہ۔

خوشخطی میں محمد حفیظ خان کے، شفیعہ میں مرزا آغا کے، شاعری میں میر شمس الدین فقیر (المتوفی ۱۱۸۰ھ) کے شاگرد تھے، شعلۂ آہ وغیرہ ان کی تصنیفات ہیں، ظہوری کے اشعار ان کی نوک زبان رہتے تھے۔

پنڈت لالہ بچھمی رام: ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خان (المتوفی ۱۱۶۹ھ) جو شاہ عالم کا وزیر تھا، اس کی سرکار میں یہ ملازم تھا، تذکرہ مذکور کا مصنف ان کی نسبت لکھتا ہے۔

> ”منشی بے نظیر بود، درعلم عربی وفارسی وانشاپردازی ومصوری نصیب وافر داشت، این چنین انسان باسلیقہ وصاحب کمال کم پیدا می شود“۔

خوشوقت رائے شاداب: کھتری، یہ ایک مشہور اور معزز خاندان کا فرزند تھا، بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا، آخر اس درجہ کمال حاصل کیا کہ اپنے زمانہ کے کبار علماء میں سمجھا جانے لگا، تذکرۂ مذکور میں ہے۔

> ”از ابتدائے عمر طبع را بہ تحصیل علم وہنر راغب ومائل داشت ودراندک زمان درجمیع علم وہنر آراستہ شد، درخصائل نیکو از ہمچشمان خود سبقت بُردہ، درخوشنویسی کمال داشت، این چنین شخص دراین قوم صاحب استعداد وفیاض وقدرشناس کم شدہ باشد“۔

رائے پریم ناتھ: اس کا خاندان ایک مدت سے شاہی دفتر کا عہدہ دار چلا آتا تھا، یہ خود شاہ عالم کے سرکاری دفتر کا مالک الکل تھا، خوشخطی وادب دانی میں اپنے زمانہ کا استاد یگانہ تھا، شاگردوں کا بڑا مجمع اس نے یادگار چھوڑا۔

سکھ رام داس: ولد نیل کنٹھ، زمانہ متعین نہیں، آمدنامۂ بدیع اس کی ایک تصنیف ہے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اطراف لکھنؤ کا باشندہ تھا، اور عہد شاہی میں قانون گوئی کے عہدہ پر مامور

تھا۔

نبیہ نرائن: ولد چین رائے، قوم کھتری، عرف سودہی، پنجاب کا رہنے والا تھا، فرخ سیر کے عہد میں محکم سنگھ اس کو منشی (سکریٹری) کے عہدہ پر سرفراز کر کے اپنے ساتھ ماڑواڑ لے گیا، اثنائے سفر میں اس کو محمد طاہر کشمیری کی کتاب ''ہوش افزا'' ملی، اس نے اس کو بغور پڑھا اور اس کی بنا پر اس کو قدیم ہندو عہد کے عجائبات اور مذہبی معجزانہ قصص کو فارسی زبان میں لکھنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ رامائن، مہابھارت، بھاگوت، ہری بنس وغیرہ سے انتخاب کر کے ۱۱۲۵ھ سے گلشن اسرار بانی کے نام سے ایک کتاب لکھنی شروع کی، جو ۱۱۳۴ھ میں اختتام کو پہنچی۔

منشی موہن لال منعم: اکبر ثانی کے عہد میں تھے، ان کی تین مثنویاں مثنویات منعم کے نام سے فارسی میں موجود ہیں بہ ترتیب ان کا نام بہار عشق، شاہ رخ، اور دلبر جہان ہے، اور غالباً یہ تینوں افسانے ہیں، شاہ رخ اور دلبر جہان کو اس نے اکبر ثانی کے نذر کیا تھا۔

کشن سنگھ: ولد رائے پران ناتھ کھتری قوم منکل ساکن سیالکوٹ، یہ فارسی زبان کا ایک چابکدست انشا پرداز تھا، پنجکروشی اور غریب الانشاء وغیرہ کتابوں کا مصنف ہے، غریب الانشا ۱۱۵۷ھ میں اُس نے لکھی۔

بنوالی داس ولی: تم اس سے ہندو مورخین کی بزم میں مل چکے ہو، اس کا ادبی کارنامہ یہ ہے کہ بھاشا زبان سے ایک ''ناٹک'' پروڈھ چندرودیا کا فارسی زبان میں ترجمہ کر کے شراب شیراز کے متوالوں کو ہندوستان کی ''رام رنگی'' کا مستانہ بنایا، ۱۰۷۳ھ میں یہ موجود تھا۔

دونی چند: ۱۱۳۷ھ میں گیکو ہرنامہ کے نام سے فارسی زبان میں ایک افسانہ لکھا، دیوان غلام محمد خان جو بہادر شاہ اول کے عہد میں ایک امیر تھا اس کا مربی اور محسن تھا۔

شنبھو لال: یہ مہاراجہ چیت سنگھ والیٔ بنارس کا منشی (سکریٹری) تھا، ۱۱۹۷ھ میں اس نے مفتاحِ خزاین نام کتاب لکھی، جو بہت سے خطوط کا مجموعہ ہے، جن میں سے بعض نہایت اہم ہیں۔

منشی تھوری مل تمکین: بارہویں صدی ہجری کے اوائل میں فارسی کا یہ ایک مشہور ادیب تھا، اس کے پوتے پران چند سرشار ولد بخت مل نے اپنے دادا کے فارسی خطوط و رقعات کو گلدستہ فیض کے

نام سے ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کیا، یہ خطوط ۱۱۳۹ھ کے لکھے ہوئے ہیں۔

منشی سجن رائے پوری: شجاع الدولہ کے عہد میں ۱۱۶۷ھ راجہ رائے پور کے دربار میں نوکر تھے، منشی تخلص تھا اور قلم کے بھی منشی تھے، فن انشا پر انھوں نے ایک کتاب لکھی ہے، انشائے نیاز نامہ نام رکھا ہے کتاب کے تین ٹکڑے کیے ہیں، (۱) عرائض، (۲) رقائم، (۳) ثمر ہائے متفرق۔

منشی جسونت رائے: عالمگیر ثانی کے عہد میں تھے، گلشن بہار کے نام سے انھوں نے ایک چمن ادب کھلایا ہے، مختلف لوگوں کے خطوط اس میں جمع کیے ہیں جن میں بکثرت سیاسی اور جنگی معلومات ہیں، شاعر بھی تھے، منشی تخلص کرتے تھے، اور اسی نام سے ایک دیوان فارسی بھی چھوڑا ہے، ۱۲۰۰ھ میں تھے۔

ملسارام: منشی تخلص تھا سرزمین پنجاب کے مجنون ولیلیٰ، ہیر اور رانجھا کا افسانہ حسن وعشق نظم کر کے اہل فارس کو سنایا، ۱۱۵۷ھ میں یہ نغمہ سرائے محبت، سرائے فانی سے کوچ کر گیا۔

عوض رائے: مسرت تخلص، قصیدۂ مسرت کہہ کر شاہ عالم کے دربار میں پیش کیا، اس میں کمال یہ کیا ہے کہ ہر شعر میں بادشاہ کو نئے طور سے خطاب کیا ہے، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں اس کا قلمی نسخہ ہے۔

نہال چند لاہوری: یہ ایک افسانہ کا جس کا نام مذہب عشق ہے مصنف ہے، مذہب عشق میں نام ونشان تنگ ہے، اس لیے اس ادیب کے حالات نامعلوم ہیں۔

لالہ بھوپت رائے: فن بلاغت کی ایک کتاب دستور شنگرف کا مصنف، تصنیف تو حیدرآباد اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں قلمی موجود ہے، لیکن صاحب تصنیف کا تذکرہ مفقود ہے، حیدر آباد کا نسخہ ۱۱۹۲ھ کا لکھا ہوا ہے۔

لالہ بھجک رائے: فیض آباد کا باشندہ تھا، اُس نے سعدی کی گلستان میں پھول کھلائے یعنی اس کی شرح لکھی جو بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے۔

منشی ایشری داس: کایستھ، امیر الامرا نواب غضنفر جنگ والیٔ فرخ آباد کے منشی تھے، ایک فارسی تذکرہ کا مصنف ان کی نسبت لکھتا ہے۔

> ''نظم ونثر فارسی بہ فصاحت وبلاغت مشتمل بر لطائف وصنائع وبدائع
> لفظی ومعنوی می نگاشت، از نثرش بعض وقائع وسوانح بنظر گذشتہ، حق
> آنست کہ بکمال لطف وخوبی می نگاشت''۔

منشی ٹیک چند بہار: ان کا تذکرہ آگے آئے گا، یہاں صرف اس حیثیت سے ان کو جگہ ملتی ہے کہ یہ بوستان سعدی کے شارح اور بہار بوستان کے مصنف ہیں۔

آنند رام: زمانۂ متاخر کا ایک فارسی ادیب ہے، ۱۱۵۹ھ کے قریب میں اس دنیا سے چل بسا، لیکن اس کے چمنستان کی بہار ابتک باقی ہے، یہ ایک فارسی افسانہ ہے ۱۲۹۴ھ میں یہ کتاب چھپ چکی ہے۔

ماتا پرشاد: صحیفۃ الشوق نام ایک فارسی افسانہ کا مصنف ہے اس کا قلمی نسخہ ۱۲۸۲ھ کا لکھا ہوا کتبخانہ آصفیہ میں ہے۔

دین دیال: عجیب القصص معروف بہ شبستان عشرت ایک افسانہ فارسی زبان میں اس نے لکھا ہے ۱۲۹۶ھ میں یہ کتاب طبع ہوئی ہے۔

امر سنگھ: رامائن امر پرکاش کے نام سے فارسی میں پاربتی، مہادیو، رام چندر جی، اور راجہ دسرت کے قصوں کو نظم کر گیا۔

سیالکوٹی مل: ان کا ذکر آگے آتا ہے، یہ زمانۂ متاخر کا بہت بڑا ادیب تھا، صفات کائنات کے نام سے فارسی علم بلاغت میں اس کی ایک کتاب ہے جو ۱۲۹۵ھ میں چھپ گئی ہے، اس کی دوسری کتاب رجم الشیاطین ہے جو سراج آرزو کی تنبیہ الغافلین کا جواب ہے، یہ دونوں کتابیں ادبی مطارحات پر مشتمل ہیں۔

لچھمی نرائن: باپ کا نام مانی رام، سراج الدین آرزو کا شاگرد تھا، لاہور اپنا وطن چھوڑ کر دلی میں آکر ڈیرے ڈالے، درانی کے حملوں نے دلی سے نکال کر بریلی اور اورنگ آباد کی سیر کراتے ہوئے لکھنؤ پہنچایا، یہ فارسی کا نامور انشا پرداز تھا، اس کے فارسی رقعے بہت مشہور ہیں، ۱۲۰۵ھ میں اس نے ان رقعوں کو ترتیب دیکر رقعات لچھمی نرائن نام رکھا۔

بچھمی نرائن: یہ حاجی پور (بہار) کا رہنے والا تھا، عالمگیر کے عہد میں شہزادہ بیدار بخت کی سرکار میں پیشکاری کے عہدہ پر تھا، اور سہ صدی منصب رکھتا تھا، ۱۰۴۰ھ میں اس نے شاہنامہ کا انتخاب کیا اس انتخاب کے دیباچہ کا پہلا شعر یہ ہے:

شکر وسپاس ونعمت ومنت خداے را پروردگار خلق و خداوند کبریا

راجہ رام نرائن: بچھمی نرائن کا بیٹا، عظیم آباد پٹنہ میں اس نے بڑا سیاسی عروج حاصل کیا تھا اور مدت تک اس کا خاندان معزز رہا، شیخ حزین کا شرف تلمذ اس کو حاصل تھا، خود صاحب ادب اور ادبائے زمانہ کا مربی تھا، نواب قاسم کی معرکہ آرائی کا نشانہ بنا، نہایت وسیع النظر اور کتب بینی کا شائق تھا۔

کیول رام: شاہ عالم کے عہد میں تھا، اور اودھ کے بیت الانشا میں منشی تھا۔ ۱۱۹۷ھ میں منشی کیول رام نے پچاس جز میں فن انشا پر ایک کتاب لکھی اور طلسمات خیال اس کا نام رکھا۔

پنڈت کرپا ندھان: پنڈت جی کا جنم پتر معلوم نہیں، مثنوی دل پسند کے مصنف ہیں، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ۱۲۴۳ھ کا لکھا ہوا اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

منشی خیالی رام: لکھنو وطن، خیالی تخلص، نظم ونثر فارسی کے استاد، واجد علی شاہ کے دربار سے تعلق تھا ان کی تصنیفات کی تعداد ۱۰۰ سے زیادہ ہے، امیر خسرو کی سب سے مشکل کتاب اعجاز خسروی کی شرح لکھی۔

ص۱۱۵۷۱

منشی مادھورام: دلی کے رہنے والے تھے اور فارسی زبان کے استاد تھے، انشائے مادھورام ان کا نتیجۂ فکر ہے جس میں بادشاہوں، شہزادوں، اور امرا کے نام خطوط ہیں، یہ پہلے نصاب فارسی میں داخل تھا۔

ذیل کی سطروں میں چند منشآت کے نام نقل کرتے ہیں اُن کے مزید حالات سے واقفیت نہ ہوئی۔

کامتا پرشاد: انشائے بے نقط کا مصنف۔

منشی کالی رائے: انشائے تمیز کا مصنف، اس انشا میں ایک خاص صنعت بدیع (ترک

حرف مسلسل) ملحوظ ہے۔

دولت رام: کتاب کا نام انشائے دولت رام۔

منشی جے سنگھ رائے: انشائے راحت جان کا مصنف ہے، اس کتاب میں سخاوت وعدالت وغیرہ مختلف عنوانات پر مضامین ہیں۔

ہرسہائے: انشائے ہرسہائے اس کی کتاب کا نام ہے، اس میں منشی گری کے قوانین نظم ونثر فارسی میں بیان ہوئے ہیں۔

منشی ہرنرائن: دہلی کے باشندہ تھے، خیالات نادران کے فارسی رقعات کا مجموعہ ہے۔

لالہ نوندرائے: دستور الصبیان کے نام سے فارسی مکتوبات کے جامع ہیں۔

کچھمی داس: بن نرائن داس، رقعات نظامیہ اس کا سرمایہ کمال ہے، چھپ گئی ہے۔

خوشحال رائے: دستور الامتیاز کے نام قوانین انشاء کا مدون ہے، نسخہ موجودہ کتبخانۂ آصفیہ ۱۲۰۳ھ کا نقل کیا ہوا ہے۔

نندرام: باپ کا نام ہیرانند، قانونچہ انشا اس کی تالیف ہے، موضوع کتاب نام سے ظاہر ہے، قلمی نسخہ آصفیہ میں ہے۔

رام سنگھ: گلشن عجائب، انشا میں اسکی کتاب ہے نسخہ موجودہ آصفیہ ۱۲۲۳ھ کا چھپا ہوا ہے۔

کشنا جی پنڈت: شاید یہ دکھنی ہوں، ان کی نادر الانشاء قلمی آصفیہ میں ہے۔

رنجھور داس: جونپور کا رہنے والا تھا، دقائق الانشاء کا مؤلف ہے۔

۲۔ ہندو لغت نویس

کسی زبان کے جاننے کے صرف یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ اس زبان کی عبارت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے اور اس میں لکھ پڑھ سکتا ہے، یہ تو نہایت ادنیٰ درجہ ہے، اصلی زباندانی یہ ہے کہ وہ اہل زبان کی طرح اس زبان پر قابو رکھتا ہو، اور اس کے ذخیرۂ الفاظ کے ماخذ واشتقاق کا علم اور غلط وصحیح کی تمیز، اور خواص کے طرز ادا، ترکیب الفاظ، ادائے مطالب اور محاورات پر اس کو دسترس ہو، ہندوستان میں جو ہندو ادبائے فارسی گذرے ہیں غور کرنا چاہئے کہ کیا ان کی

واقفیت زبان، ہماری آجکل کی بیرونی زبان کی واقفیت کے معیار سے کچھ بلند تر تھی یا نہیں۔

اکبر کے زمانہ تک فارسی زبان کے چھوٹے بڑے ۴۴ سے زیادہ لغت موجود تھے لیکن یہ تمام تر قدماء اور اہل زبان کے لکھے ہوئے تھے، جو اہل ہند کے ضروریات کے مطابق نہ تھے، بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو ایک صاحب زبان لغت نویس مشکل اور قابل حل نہیں سمجھتا، حالانکہ غیر زبان دان کے نزدیک وہ سخت مشکل اور قابل حل ہیں، لغات سے زیادہ محاورات کا معاملہ سخت ہے، اہل زبان ان کے ایک ایک نکتہ کو جانتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ تمام دنیا ان کو اسی طرح سمجھ لے گی، حالانکہ دوسری قوموں کو جن کی وہ زبان نہیں یہی مرحلہ دشوار نظر آتا ہے، غرض یہی اسباب تھے کہ جنکی بنا پر ہندو ادبائے فارسی کو فارسی زبان کے لغات لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

ٹیک چندر بہار: قوم کا کھتری، سراج الدین علی خان آرزو اکبرآبادی کے ارشد تلامذہ میں تھا، فارسی زبان کی گرہ و بند پر اُسے کامل عبور تھا، اہل زبان کی مدت تک صحبتیں اٹھائی تھیں، اس نے فارسی زبان کے کئی لغت لکھے بہار عجم، نوادر المصادر اور جواہر الحروف، زیادہ مشہور بہار عجم ہے، اس کے مقدمہ میں وہ لکھتا ہے کہ بدءِ طفولیت سے ۵۳ سال کی عمر تک فارسی زبان کی تحقیق وکاوش میں بسر ہوا، ۲۰ برس تک متصل اُس نے اس لغت کی تالیف و ترتیب میں بسر کئے، اور سات دفعہ خود اپنے ہاتھ سے مسودہ کاٹ چھانٹ کر صاف کیا، یہ عمر کی آخری کمائی تھی، اور اُسی پر جان دی، بہار کے شاگرد منشی اندر من نے آٹھویں دفعہ مرتب کیا، اور خطبہ اور خاتمہ لکھ کر شاہ عالم کے زمانہ میں ۱۱۸۴ھ میں ختم کیا، بہار عجم اس قدر مقبول ہوئی کہ تمام ارباب علم میں متداول ہوگئی، اور لوگ اس کی سندیں پیش کرتے ہیں، ہر فارسی دان اُس کے نام سے واقف ہے، محاورہ کے لیے اس نے اہل زبان کے شعر سند میں پیش کیے ہیں۔

سیالکوٹی مل وارستہ: نام سے زیادہ یہ اپنے تخلص کے ساتھ مشہور ہے، شیخ حزیں پر سراج آرزو نے جو اعتراضات کئے تھے اس کے جواب میں رجم الشیاطین اُس نے لکھی تھی، سمجھ لو کہ اہل زبان اور اساتذۂ فن کے مناظرات اور ردوکد میں جو صاحب نظر حملہ آورانہ اور خصوصا

مدافعانہ حصہ لے وہ کس درجہ اس زبان پر عبور کامل اور وقوف تام رکھتا ہوگا، وارستہ نے اسی فارسی زبان کے عشق میں ایران تک کی خاک چھانی، اور کامل ۳۰ برس اس ملک میں بسر کیے، اس سفر کے نتائج علمی مصطلحات الشعراء اور صفات کائنات ہیں، مصطلحات الشعراء گو صرف ۴۰۰ صفحہ کی ضخامت کا لغت ہے، لیکن پندرہ برس کی محنتوں کا صلہ ہے، وارستہ دیباچہ میں لکھتا ہے:

> ''اکثر محاورات غریبۂ فارسی زبانان دراشعار فصاحت باردیدم وتحقیق آن کمر سعی مستحکم بربستم ہرچند گرد کتب لغات گردیدم نغمۂ حل معانی بعضے ازان نشیدم، ناچار رجوع بزباندانان ایران دیار آوردم و پانزدہ سال درین تلاش بسر بُردم، انچہ اززبان آن جماعت شنیدم بروے انتفاع جمہور سخن پردازان خواستم درحیز کتابت آوردم''۔

پنڈت گنگا بشن: حال نہیں معلوم۔ اس نے فرہنگ شیر وشکر کے نام سے عربی فارسی الفاظ کا لغت لکھا ہے۔

کاشی راج کھتری: لغت پنجابی کے نام سے فارسی زبان میں لغت لکھا ہے اس کا قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے۔

گردھاری لال: دکن کا باشندہ ۱۲۴۱ھ میں گنج اللغات فارسی لکھی، قلمی نسخہ آصفیہ میں ہے۔

فرہنگ انندراج: اس فرہنگ کا ذکر اس سلسلہ میں مناسب نہ تھا کہ اولاً تو ایک مسلمان کی تصنیف ہے اور ثانیاً اس لیے کہ مسلمانوں کے عہد حکومت کے بعد لکھی گئی ہے لیکن صرف اس لیے اس کا تذکرہ مقصود ہے کہ اس سے ادائے احسان کا موقع پیدا ہو، فرہنگ انندراج چالیس پچاس برس ہوئے کہ مدراس کے ایک ہندو راجہ انندراج کی فرمائش سے ترتیب پائی، یہ فارسی زبان کا سب سے ضخیم اور مطول لغت ہے جو کئی جلدوں میں اور چند ہزار لمبی تقطیع کے صفحات میں تمام ہوئی ہے۔ اس میں صرف خالص فارسی الفاظ نہیں ہیں جیسا کہ دیگر لغت نویسوں نے کیا ہے بلکہ ان عربی الفاظ کو بھی لے لیا ہے جو فارسی میں مستعمل ہیں مصنف کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ نے اس پر ہزاروں روپے صرف کیے ہیں، اس کے لیے دور دور سے

کتابیں منگوائیں، کتبخانہ ترتیب دیا مصنف کا وظیفہ مقرر کیا اور خود چھپوا کر شائع کیا۔

اس موقع پر ایک نکتہ کی بات ہم کہنا چاہتے ہیں، اگر چہ ہندوستانیوں نے انگریزی پڑھ کر مرہٹی بنگالی اور اردو میں انگریزی ڈکشنریاں آج بھی لکھی ہیں لیکن در حقیقت انھوں نے اس میں صرف مترجمی کی خدمت انجام دی ہے، یعنی کسی مستند انگریزی ڈکشنری کو سامنے رکھ کر اس کے مقابل کے معنی اپنی زبان میں لکھ کر خانہ پری کر دی ہے، لیکن جو خدمت کہ ٹیک چند بہار اور وارستہؔ نے اپنے زمانہ کی سرکاری زبان کی ادا کی اور مثل ایک اہل زبان کے بذات خاص تحقیق و کاوش سے شعراء کے کلام پڑھکر ایرانیوں کی صحبتیں اٹھا کر خود اہل زبان سے مطارحات اور چھیڑ چھاڑ کر کے انجام دی اس کی نظیر اب تک تو پُرانے ''منشی'' کے نوجوان ''مسٹر'' نہ دکھا سکے۔

منشی کامتا پرشاد: نادان تخلص، وطن دکن ہوگا، انھوں نے فارسی قواعد کی کتاب ''ہفت گل'' لکھی، آصفیہ میں اس کا نسخہ ہے۔

مینڈو لال: زار تخلص، بہار علوم کے نام سے فارسی قواعد کی کتاب تصنیف کی، قلمی نسخہ آصفیہ میں ہے۔

۳۔ مترجمین

دو مختلف قوموں کے متضاد عناصر کو متحد کرنے کے لیے بہترین کیمیاوی مسالہ دونوں قوموں کے لٹریچر کو متحد کر دینا ہے، ڈاکٹر تیج بہادر سپرو نے صبح امید کے پہلے نمبر میں اس مقصد پر بڑا زور دیا ہے، ہم کہتے ہیں کہ ہاں اس جدید زمانہ میں سرنو کوشش کی ضرورت ہے، لیکن پرانے عہد کے بزرگوں نے اپنے دور عمل میں اس خیال کو پیش نظر رکھا اور کامیابی ہوئی، اسوقت میرا سلسلہ مضمون یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں نے کیا کیا، بلکہ یہ ہے کہ اس عہد کے ہندوؤں نے کیا کیا۔

اس خیال کی اصلی کامیابی ملک کے مترجم طبقہ کے ہاتھ میں ہے جو ایک قوم کے خیالات کو دوسری قوم کے سامنے پیش کرتا رہے، اور بتاتا رہے کہ ان دونوں میں کچھ بیر نہیں، بلکہ ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر ہیں، اگر چہ ترجمہ کا سلسلہ مسلمانوں کے آغاز عہد سے

قائم تھا لیکن وہ صرف علمی ذوق کا نتیجہ تھا قوموں کی باہمی بیگانگی اور اجنبیت کا دور کرنا اس کا مقصد نہ تھا۔

اکبری عہد میں حکومت کی خواہش کے مطابق مسلمان علما اور ہندو پنڈتوں نے مل کر رامائن، مہابھارت، سنگھاسن بتیسی، لیلاوتی، نلدمن، تاجک، ہری بنس، اتھرین وید وغیرہ کتابوں کا ترجمہ کیا، وہ پنڈت جو ان میں سے بعض کتابوں کے ترجمہ میں شریک غالب رہے، یہ تھے، گنگادھر، مہیش، مہانند، کشن، جوشی، مہاون، افسوس ہے کہ ان ناموروں کے حالات نہیں معلوم۔

اب وہ زمانہ بھی آیا جب کہ بادشاہوں کی خوشی کے لیے فارسی دان ہندو پنڈتوں نے اس کام کو از خود انجام دینا شروع کیا۔

گردھر داس: قوم کایستھ، متوطن دہلی، شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں تھا، ۱۰۳۶ھ میں اس نے رامائن کا ترجمہ فارسی نظم میں کیا، یہ کتاب برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے۔

بنوالی داس: ولی تخلص، شہزادہ داراشکوہ کا میر منشی (چیف سکریٹری) تھا، ۱۰۷۳ھ میں اس نے بھاکا سے پروڈھ چندرودیا نام ایک افسانہ کا فارسی میں ترجمہ کیا۔

پنڈت لچھمی نرائن: انھوں نے شنکراچاری کی پوتھی اپردکھا بنوتی کا ترجمہ حدائق المعرفت کے نام سے فارسی میں کیا۔

منشی مکھن لال: جہان ظفر کے نام سے رامائن کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔

امر سنگھ: رامائن امر پرکاش کے نام سے پاربتی، مہادیو، رامچندر، راجہ دسرت کے حالات زباندانانِ فارس کو سنائے۔

پنڈت امرناتھ: شیدا تخلص، چار ویدوں کے مطابق دنیا کے جو احوال تھے وہ فارسی میں خیالاتِ شیدا کے نام سے بیان کر گئے، یہ کتابیں کتب خانہ آصفیہ میں ہیں۔

رام پرشاد: اودھ کا باشندہ تھا، نواب ناظم محمد داراب خان کا خزانچی تھا، اس نے ۱۲۲۷ھ میں نواب مذکور کی فرمائش سے امت چرتر کا فارسی نظم میں ترجمہ کیا، اور مخزن العرفان اس کا نام رکھا۔

گوپال: خلف سری گوبند، اُس نے سری بھاگوت وادھیا تمارامائن کا ترجمہ فارسی میں کیا ۱۷۱۸ء کا لکھا ہوا نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے۔

انند گھن گوشائیں: متخلص بہ خوش اس نے پوتھی کاشی کھنڈ کو فارسی زبان میں منتقل کیا، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں جو نسخہ ہے وہ ۱۲۰۸ھ کا لکھا ہوا ہے۔

انند کنوار: حالات نہیں معلوم، پوتھی موچہ دھرم گیان ساگر کا قلمی نسخہ جو اس نے فارسی میں ترجمہ کیا تھا، سوسائٹی مذکور کے کتبخانہ میں ہے۔

زور آور سنگھ: اس نے پوتھی بادارنبھ کو فارسی زبان میں منتقل کیا۔

مرلی دھر: پوتھی سری بھاگوت کا فارسی میں مترجم، قلمی نسخہ سوسائٹی میں ہے،

راؤ دلپت سنگھ: اہل تاریخ کے سلسلہ میں اس کا حال گذر چکا ہے، مہاراجہ جگت سنگھ والیٔ اُودے پور کی سرکار میں نوکری کے زمانہ میں اس نے ایک بہت بڑا ادبی کارنامہ انجام دیا، بادۂ شیراز کو سفالِ ہندی میں بھر کر ملک کے سامنے پیش کیا، یعنی دیوان حافظ کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا۔

(۷)

ہندو علمائے علوم عقلیہ

علوم عقلیہ سے میری مراد، طبعیات، الٰہیات، ریاضی، ہیئت، طب وغیرہ جملہ علوم حکمت ہیں، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان بھی ان ممالک میں سے ایک ہے جن کو علوم عقلیہ کا جنم بھوم کہنا چاہئے۔ یہ بحث دوسری ہے کہ یہ علوم برسہا یہیں پیدا ہوئے جیسا کہ اہل ہند کا دعوئی ہے یا سکندر کے بعد یونانیوں کے ذریعہ سے یہ علوم یہاں منتقل ہوئے، جیسا کہ اہل یورپ کا بیان ہے باایں ہمہ یہ ماننا پڑے گا کہ اہل ہند نے ان علوم میں کافی دستگاہ حاصل کر لی تھی، اور ریاضیات وہیئت میں ایک حد تک وہ استادی کے رتبہ کو پہنچ گئے تھے۔

ہندوؤں کے دماغ کو ریاضیات سے ہمیشہ ایک خاص مناسبت رہی ہے مسلمانوں کے عہد حکومت میں علوم عقلی کے جو ہندو نامور یہاں پیدا ہوئے، ان میں مہندسین اور علمائے

ریاضیات کی تعداد زیادہ ہے۔

بیرونی کے ذریعہ سے جن برہمنوں نے عربوں کی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا تھا افسوس کہ ان کے حالات ہم کو نہیں معلوم اور نیز بعد کی صدیوں میں جن ہندو بزرگوں نے ادھر توجہ کی ان کے نام سے بھی ہم واقف نہیں، تاہم اتنا معلوم ہے کہ سنسکرت میں عربوں کی تحقیقات عقلی کی کافی آمیزش موجود ہے، چنانچہ تمدن ہند کا فرنچ مصنف شہادت دیتا ہے کہ گیارھویں صدی عیسوی کے بعد سے کہنا چاہئے کہ ہندی علوم سے مراد عربی علوم ہیں، پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندی علوم جن کی ابتدا پانچویں صدی عیسوی میں آریہ بھٹ کے ریاضیات سے ہوئی، اور پھر ساتویں صدی میں برہم گپت نے ان پر اضافہ کیا، اس زمانہ سے لیکر آج تک انہیں مسائل سے بحث کرتے ہیں جو ہند میں (یونانی اور مسلمان) ان دو ذریعوں سے آئے"۔

عہد اکبری کے ہندو علمائے معقولات: ابوالفضل تنہا مورخ ہے، جس نے اپنے بادشاہ کے عہد کے جزئی سے جزئی واقعہ کو قلم انداز نہیں کیا، آئین میں دانش آموزان دولت کے عنوان سے ہر فن کے ۱۴۲ علما کے نام لکھے ہیں، اس کاغذی دربار میں بلا تفریق ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے اکابر علم اور اساطین فلسفہ دوش بدوش بٹھائے گئے ہیں، شناسائے عقلی کلام کے عنوان میں ابوالفضل نے اپنے زمانہ کے حسب ذیل اشخاص کے نام لکھے ہیں، نارائن، مادھو بھٹ، سری بھٹ، بشن ناتھ، رام کشن، بلبھدر مصر، باسدیو مصر، باہن بھٹ، بدیانواس، گوری ناتھ، گوپی ناتھ، کشن پنڈت، بھٹاچارج، بھاگیرت، کاشی ناتھ بھٹاچارج۔

جن ہندو پنڈتوں نے مرزا الغ بیگ کی زیچ جدید جو مسلمان علما ہیئت کی تحقیقات اخیر کا مجموعہ ہے، مسلمان علماء کی زیر نگرانی فارسی سے ہندی میں ترجمہ کیا تھا، ان کے نام یہ ہیں، کشن جوتشی، گنگا دھر، مہیش، مہانند، (۲۵)۔

جے سنگھ کے رصد خانے: مسلمان سلاطین نے دنیا کے ہر گوشہ میں جہاں ان کے تمدن نے فروغ پایا، تحقیقات فلکیہ کی تکمیل کے لیے رصد خانے قائم کئے، ۱۹۰۹ء کے الندوہ میں میں نے متعدد نمبروں میں ان رصد خانوں کے حالات و تحقیقات کی تفصیل لکھی ہے، اسوقت سلسلۂ

سخن کے طور پر یہ کہنا ہے کہ ہندوستان میں متعدد مسلمان سلاطین نے رصد خانے قائم کرنا چاہے، فیروز شاہ بہمنی اور شاہجہان نے کام کو شروع کرایا لیکن مختلف وجوہ سے ناتمام چھوڑنا پڑا، یہ مہم درحقیقت محمد شاہ کے عہد حکومت کے لیے اُٹھ رہی تھی۔

راجہ جے سنگھ سوائی کچھواہا، اجمیر کا راجہ تھا، اورنگ زیب عالمگیر اور اس کے جانشینوں کے ایام سلطنت میں ایک فوجی افسر کی حیثیت سے نمایاں عزت حاصل کی، محمد شاہ کے عہد میں وہ آگرہ اور مالوہ کا گورنر مقرر رہا، اس نے اپنی ریاست کا نیا مرکز جے پور کے نام سے آباد کیا اور اب اسی نام سے یہ ریاست معروف ہے، جے سنگھ ایک نہایت علم دوست اور عالم راجہ تھا، عربی علوم وفنون میں وہ اچھی دستگاہ رکھتا تھا اور علم ہیئت سے اس کو ایک خاص ذوق تھا۔

راجہ جے سنگھ نے الغ بیگ کی زیچ جدید، ملا چاند اکبری کی تسہیلات، اور ملا فرید شاہجہانی کی زیچ شاہجہانی کے اصول پر زیچ محمد شاہی ترتیب دی، اور بادشاہ کے حضور میں پیش کی یہ وہ زمانہ تھا جب اہل یورپ کے فضل وکمال کی طرف اہل ہند کی نگاہیں اُٹھ رہی تھیں، بادشاہ کے حکم سے مسلمان، برہمن اور فرنگی علمائے ہیئت جمع کئے گئے اور دلی میں ایک جدید رصد خانہ کی تعمیر کا کام ۱۱۳۷ھ میں شروع ہوا، مرزا امیر اللہ مہندس اس کے مہتمم تھے، اس رصد خانہ میں بعض آلات ایسے تھے جو سمرقند کے الغبیگی رصد خانہ میں استعمال پا چکے تھے، اور بعض بالکل نئے تھے اور خود راجہ کے ایجاد کردہ تھے۔

راجہ نے اس غرض سے تاکہ رصد خانہ کی تمام تحقیقات پوری اُتریں اور ان کی تصدیق ہوتی جائے رصد خانۂ دہلی کے نمونہ پر جے پور، متھرا، بنارس، اور اُجین میں بھی رصد خانے بنوائے، دلی اور بنارس کے رصد خانوں کی ٹوٹی پھوٹی یادگاریں تو اب تک باقی ہیں، اور میں نے دیکھی ہیں، باقی شہروں کا حال نہیں معلوم۔

بہرحال ان رصد خانوں میں ہندو، مسلمان، اور فرنگی علمائے ہیئت نے سات برس تک کام کیا اور اس کے بعد کچھ لوگ پادری مینویل کی ماتحتی میں یورپ بھیجے گئے، وہاں سے یہ علمی جماعت جو معلومات لیکر آئی ان کا اپنے اصول کے مطابق یہاں مقابلہ کیا گیا، یہ مشرق

ماہر -

کا پہلا رصد خانہ ہے جس نے مغربی تحقیقات کی موافقت کی، اس رصد خانہ کی تحقیقات فلکی سے زیچ محمد شاہی تیار کی گئی جو تین مقالات پر مشتمل ہے، اول در معرفت سنین، دوم در معرفت طالع ہر وقت، سوم در معرفت رفتار سیارات وثوابت۔ (۲۶)

راجہ نے اس راہ میں ایک اور اہم خدمت انجام دی، عربی زبان کی مستند علم ہیئت کی کتابوں کا ہندی میں ترجمہ کرایا، اور اس پر ہزاروں روپے صرف کیے۔ (۲۷)

بہادر خان والیٔ ٹکاری: احتشام الدولہ مبازر الملک راجہ خان بہادر نصرت جنگ، ہمارے اس عہد کے ہندو دوست سمجھتے ہوں گے کہ یہ کسی مسلمان امیر کا نام ہوگا، لیکن ان کو سننا چاہئے کہ یہ مہاراجہ مترجیت سنگھ راجہ ٹکاری (صوبہ بہار) کے فرزند ارجمند کا نام ہے، یہ راجہ غدر سے ۳۰ برس پہلے تھا، راجہ مذکور تمام علوم وفنون عربی و فارسی میں ماہر تھا، اس کا دربار مسلمان اور ہندو فضلائے عہد سے بھرا ہوا تھا اس زمانہ میں مولانا غلام حسین جونپوری ایک نامور ریاضی دان تھے، وہ بھی اس راجہ کے دامن دولت سے وابستہ تھے، مولانا راجہ کے فضل وکمال کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

> ”چنانچہ فنے از فنون متداولہ وعلمے از علوم متداولہ مطروح نشدہ کہ درذات شریف آن یگانہ جمع نیامدہ باشد“۔

راجہ نے ایک دن اپنی بزم علم میں تذکرہ کیا کہ روز بروز علم کا فقدان ہو رہا ہے اور اس کے متعدد وجوہ ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ علوم وفنون کی زیادہ تر کتابیں عربی زبان میں ہیں جن سے فارسی خوان فائدہ نہیں اٹھا سکتے، اس لیے مناسب ہے کہ فارسی میں ایک ایسی جامع کتاب لکھی جائے جو ہر قسم کے اصول وفروع پر مشتمل ہو، تین سو برس ہوئے کہ علامہ عبدالعلی برجندی کے زمانہ سے اس وقت تک کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی، اس تقریر کے بعد راجہ نے مولانا غلام حسین کو حکم دیا کہ اس مجوزہ تصنیف کا کام شروع کریں۔

مولانائے موصوف نے جامع بہادر خانی کے نام سے ایک ایسی مکمل اور جامع کتاب ریاضیات پر فارسی میں لکھی جس سے زیادہ مکمل اور جامع کتاب شاید عربی میں بھی نہ

ہوگی، اس کو علوم ریاضیہ کی انسائیکلو پیڈیا کہنا زیادہ موزوں ہوگا، علم ہندسہ، علم الابصار، علم المناظر، علم حساب، جبر و مقابلہ، جومیٹری، علم ہیئت، علم آلات رصد و قواعد رصد وغیرہ اصولی ابواب کے تحت میں بیسیوں فروعی مباحث اور فصول ہیں، پوری کتاب لنبی اور چوڑی تقطیع کے ۱۴۷ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، اور ہر صفحہ میں ۲۵ لنبی اور باریک سطریں ہیں ۱۲۴۸ھ میں شروع ہوئی اور ۱۲۴۹ھ میں تمام ہوئی، اکبر ثانی کا یہ زمانہ تھا، کتاب میں جہاں کہیں ستاروں کے طلوع وغروب کا وقت دیا گیا ہے، قلعہ ٹکاری کے مطالع و مغارب کے حساب سے دیا ہے، مصنف جابجا قدیم تحقیقات کو یورپ کے جدید معلومات سے موازنہ بھی کرتا گیا ہے۔

راجہ رتن سنگھ زخمی: قوم کایستھ سکسینہ، ۱۱۹۷ھ میں لکھنؤ میں پیدا ہوا، اس کا خاندان تین پشتوں سے دربار اودھ کے معزز عہدوں پر ممتاز چلا آتا تھا، لکھنؤ کی درسگاہوں کے آغوش میں اس کے فضل وکمال نے نشو ونما پایا، عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت، اور کسی قدر انگریزی زبان سے واقفیت تھی، علم ہیئت میں اس کو استادی کا رتبہ حاصل تھا، فارسی شعر وسخن سے بھی ذوق رکھتا تھا، کچھ دنوں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کی، اس کے بعد اودھ میں اپنے خاندانی عہدہ پر ممتاز ہوا محمد علی شاہ کے زمانہ میں دیوان شاہی مقرر ہوا، اور فخر الدولہ دبیر الملک ہوشیار جنگ کے خطاب سے مخاطب ہوا۔

۱۲۵۳ھ میں محمد علی شاہ کے حکم سے ہیئت میں حدائق النجوم نام ایک جامع کتاب فارسی زبان میں لکھی جو ٦۵ جز میں جا کر ختم ہوئی ہے، جدید مغربی تحقیقات کو پرانے عربی معلومات سے اس نے پیوند دیا ہے، یہ کتاب اپنے باب میں نہایت مستند اور معرکۃ الآرا سمجھی جاتی ہے اور اب علمائے اسلام میں ہیئت کی اعلیٰ کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

روپا نرائن: ۱۱۲۹ھ میں وفات پائی، علم ہندسہ میں شش جہات نام ایک کتاب لکھی جو ارباب فن میں نہایت وقیع خیال کی جاتی ہے، قلمی نسخہ موجود ہے۔

اندر من: منشی ٹیک چند بہار کا شاگرد تھا، اصل وطن حصار تھا، لیکن توطن شاہجہان آباد میں اختیار کر لیا تھا، بہار عجم کو اسی نے آخر میں مرتب کیا تھا، ریاضیات میں اس کو ید طولی حاصل تھا،

عربی و فارسی کا عالم تھا، ۱۱۸۰ھ میں دستور الحساب نام کتاب علم الحساب (میتھمیٹکس) میں تالیف کی، کتبخانہ، بانکی پور میں اس کا قلمی نسخہ ہے، کتاب ۱۷ اجز میں تمام ہوئی ہے۔

میدنی مل: قوم کایستھ، اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں تھا، علوم عقلیہ کا واقف کار تھا۔ ۱۰۷۰ھ میں بدائع الفنون کے نام سے ریاضیات میں ایک عمدہ کتاب لکھی، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی اور کتبخانہ آصفیہ میں اسکے قلمی نسخے موجود ہیں۔

رام پرشاد: عظیم آباد پٹنہ وطن تھا، علم ہندسہ میں مفتاح الناظرین اس کی تالیف ہے، ۱۲۵۰ھ میں اس کی یہ کتاب کلکتہ میں چھپی تھی۔

دیوان کانجھی: یہ بھی عظیم آباد پٹنہ کے باشندہ تھے، ریاضیات و ہندسہ میں خزانۃ العلم ان کی کتاب ہے۔ ۱۲۴۰ھ میں یہ کتاب کلکتہ کے چھاپہ خانہ میں طبع ہوئی تھی۔

رائے منوں لال فلسفی: علوم حکمت اور فلسفہ میں ممتاز و معروف تھے، شاعر بھی تھے، فلسفی تھے اور فلسفی بننے کے مدعی تھے، اس لیے فلسفی تخلص کرتے تھے، ان کے بیٹے کندن لال نے اپنی ایک تصنیف میں اپنے خاندان کا حال لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پورا خاندان علم و کمال کا مطلع تھا۔ شاہجہان کے زمانہ سے اس خاندان میں علم و دولت ساتھ ساتھ تھا، سندیلہ کے برہمن تھے، رائے منوں لال کی نسبت لکھا ہے۔

> ''پدر فقیر رائے منوں لال فلسفی تخلص کہ در علوم حکمیہ یادگار حکمائے
> سلف بودند، وصاحب تصانیف کثیرہ''

رائے منوں لال پہلے نواب فیض اللہ خان کی سرکار میں تھے، اس کے بعد نواب آصف الدولہ کے دربار میں گئے، اور یہاں سے نکل کر ایسٹ انڈیا کمپنی میں آئے، اور غالباً یہیں کسی قدر انگریزی حاصل کی، ۱۲۴۸ھ میں وفات پائی، اور گیارہ کتابیں مختلف علوم و فنون میں اپنی یادگار چھوڑیں۔ گلستان ارم، بوستان حیرت، شارستان نور، دیوان اشعار، تنقیح الاخبار، جغرافیہ، یہ کتابیں ادب و تاریخ میں ہیں، خالص فلسفہ کی تصنیفات حسب ذیل ہیں، سدید الاستخراج، کتاب احکام عجائب در علم حساب، ہیئت، حکمت انگریزی، مفردات طب،

کندن لال اشکی: یہ اسی نامور باپ کا فرزند تھا، باپ اور چچا کے زیر عاطفت عربی اور فارسی علوم کی تحصیل کی، ۲۲ سال کی عمر تک بریلی، رامپور، دہلی اور بنارس کی درسگاہوں میں عمر گزاری سنسکرت میں سری کب اندر جھا کے شاگرد تھے، کچھ سال ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں بسر کئے اور آخر نواب منتظم الدولہ ناظم الملک مہدی علی خان کی وساطت سے محمد علی شاہ اودھ کے دربار میں پہنچے، چارصدی منصب پایا، دفتر انشا میں کسی عہدہ پر ممتاز ہوئے، منتظم الدولہ کی وفات کے بعد خدمت سلطانی سے مستعفی ہو کر بنارس میں گوشہ نشینی اختیار کی۔

کندن لال عربی اور نیز اسلامی علوم میں استادی کا درجہ رکھتے تھے، حدیث وفقہ پر بھی ان کی نظر تھی، فلسفہ اور ریاضیات سے ان کو خاص ذوق تھا، ہیئت میں انھوں نے زیچ اشکی ترتیب دی، فلسفہ میں حکمت ہندیہ، اکسیر سعادت، اور قسطاس تین کتابیں فارسی زبان میں لکھیں۔ اخیر کتاب درحقیقت تمام علوم وفنون کی انسائیکلوپیڈیا ہے، کندن لال نے اسکو چار حصوں پر منقسم کیا ہے، پہلے حصہ میں ہندوؤں کا فلسفہ ہے، دوسرے میں یونانیوں کا، تیسرے میں عربوں کے علوم اور چوتھے میں یورپ کا جدید سائنس، کہیں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کسی علم وفن سے بیگانہ ہے، کتاب ۱۲۲۵ھ میں مطبع محمدیہ لکھنؤ میں چھپی۔

انتظاماتِ مالی

اس فن پر ہندو مصنفین کی تین کتابیں ملی ہیں، جن کا ذکر بہ ترتیب آتا ہے، اس فن پر ان کی توجہ اس لیے مبذول ہوئی کہ زیادہ تر یہ عہدے انہیں کے زیر اقتدار رہتے تھے۔

چھترمل: ولد رائے پران چند، اس نے اس فن میں ایک نادر کتاب یادگار چھوڑی ہے۔ جس کا نام دیوان پسند ہے، دیوان زراعت، محاصل زراعت کے اعلیٰ عہدہ دار کو کہتے تھے، دیوان پسند یعنی وہ کتاب جو ہر دیوان کے لیے اس کے ادائے فرائض میں معین ہے، مصنف نے باب کے لیے اس میں دستور کا لفظ پسند کیا ہے، دیوان پسند چار دستوروں پر منقسم ہے (۱) دربیان درستی زمین ہائے کاشتکاری وتعین جمع سرکار وبعضے حساب در پیداواری اجناس، (۲) سیاق وشمار در بعضے انتظام مہمات، (۳) مزروعہ در بعضی دست، (۴) مالی وملکی آویزات معاملہ۔

دیباچہ میں مصنف اپنی معاملہ فہمی اور انتظامی مہارت پر بے انتہا فخر کرتا ہے، زمانۂ وجود نہیں معلوم، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں اس کی یہ تصنیف ۱۲۲۵ھ کی لکھی ہوئی ہے۔

جگپت رائے: حالات و زمانۂ وجود نہیں معلوم۔ سیاق یعنی کاغذات و حسابات مالی کے قواعد ترتیب میں سیاق فارسی اس کی تصنیف ہے۔

مدن لعل: مجموعۂ سیاق (فارسی) کا مصنف، یہ دونوں رسالے قلمی کتبخانہ آصفیہ میں ہیں۔

نندرام: سیاق نامہ (فارسی) کا مصنف، کتبخانہ آصفیہ میں ۱۸۷۹ء کا مطبوعہ نسخہ موجود ہے۔

ज्योतिष

نجوم

بیربل: یہ نہیں معلوم کہ یہ کون بیربل ہے، رسالہ نجوم فارسی میں اس کی تصنیف ہے۔

خوشوقت رائے: ولد بھوپت رائے، خاص النجوم کا مصنف۔

سداسکھ کول: باپ کا نام کیول رام کول، کاشف الدقائق، نجوم میں اس کی تصنیف ہے۔

جواہر سنگھ: جواہر افلاک و جواہر ادراک کا مصنف۔

یہ تمام قلمی رسالے کتبخانہ آصفیہ میں ہیں۔

طب

ہندوؤں کے ہاں مسلمانوں کی آمد سے پہلے طب میں دو کتابیں مشہور تھیں، چرکا اور ششرت کی کتابیں، مسلمانوں کا علم طب عرب، یونان، ایران اور ہندوستان کے تجربات کا خلاصہ تھا اور خود انھوں نے بہت کچھ اس پر اضافہ کیا تھا، اسلیے یہ نیا علم طب ہندوستان کے قدیم طب پر امتیاز خاص رکھتا تھا، ہندوستان کے علم طب میں مسلمانوں کی آمد کے بعد جو ترقیاں رونما ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) حاکم قوم اپنے علوم وفنون کو محکوم قوم کے علوم وفنون سے بہت بالادست سمجھتی ہے، اور اس سے استغنا برتتی ہے، چنانچہ اسی علم طب کے متعلق دیکھیے کہ گذشتہ کونسل میں جب بعض ممبروں نے دیسی طب کی سرکاری حمایت اور اس کو مستند تسلیم کرنے کا رزولیوشن پیش کیا تو ناالتفاتی کے ساتھ رد کر دیا گیا، لیکن مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں ایسا نہیں کیا، ہندی علم

طب کی بیسیوں کتابیں انھوں نے اپنی زبان میں منتقل کیں اور اپنا علم طب ہندوستان میں پھیلایا، خاص اہل ہند کے مزاج اور طبیعت کا خیال کر کے خود انہیں کے علم طب کو فارسی میں منتقل کیا اور شاہی حیثیت سے اس کو مستند قرار دیا۔ سلطان سکندر لودی سے خواص خان ایک درباری امیر نے عرض کی کہ جہاں پناہ! یونانی طب ہندوستان کی آب وہوا کے موافق نہیں ہے حکم ہوا کہ سنسکرت سے ہندی طب کو فارسی میں منتقل کیا جائے، چنانچہ میاں ہوہ بن خواص خان نے اس کام کو انجام دیا اور کتاب کا نام معدن الشفاء سکندر شاہی رکھا، قاسم فرشتہ نے اکبری عہد سے پہلے اختیارات قاسمی کے نام سے ہندی علم طب کو زندہ کیا، ہندوستان میں اسوقت فارسی میں جو علم طب ہے اور خصوصاً خاندانی اطباء کے سفینوں میں اور مجربات ناموں میں سیکڑوں نسخے اور دوائیں ہندوستان زا ہیں، اسی طریقہ سے بیدوں نے مسلمانوں کے سیکڑوں نسخے، دوائیں اور اصول علاج اپنے ہاں لے لیے، اور اسطرح مل ملا کر ایک ایسا طرز علاج رائج ہوا جو ہندوستان کے حالات کے مطابق تھا۔

(۲) پہلے بیدوں میں وہ دوائیں متداول تھیں جو ہندوستان میں پیدا ہوتی تھیں، طب اسلامی نے تمام دنیا کے ملکوں میں جو دوائیں اور جڑی بوٹیاں زیر تجربہ آچکی تھیں ان کو ہندوستان میں رواج دیا، ان کے فوائد ومنافع لوگوں نے سیکھے، مفردات کے ذخیرہ کو بیحد بڑھا دیا۔

(۳) دواؤں کی ترکیب میں عرق، معجون، قیروطی، سفوف وغیرہ مختلف طریقوں کو پھیلایا۔

(۴) چیچک وغیرہ متعدد بیماریاں جن کو یہاں وہم پرستی سے دیوتاؤں، دیبیوں اور بھوت پریت کا اثر سمجھا جاتا تھا اور اس لیے ان کا طبی علاج نہیں کیا جاتا تھا، ان کو لائق علاج بتایا، چیچک کی بیماری پر سب سے پہلی کتاب عربوں ہی نے لکھی۔

(۸)

طب اور دیگر علوم متفرقہ

یہ سلسلہ اس قدر پھیلا کہ ارباب بزم گو زبان سے تو نہیں کہتے لیکن تیور سے پہچانتا

ہوں کہ وہ گھبرا اُٹھے ہوں گے لیکن بات یہ ہے کہ

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

اب اس کے بعد تکلیف نہ دی جائے گی۔

پچھلی داستان میں ہم طب تک پہنچے تھے، اب ہماری کہانی کا سلسلہ آگے چلتا ہے اور عہد اسلامی کے بعض ہندو طبیبوں کا حال سناتے ہیں۔

دربار شاہی میں مسلمان اطباء کے ساتھ ہندو طبیبوں کا رہنا بھی ضروری تھا، چنانچہ ہندو علماء کے مختلف طبقوں میں سے سب سے پہلا طبقہ جو شاہان اسلام کی جانب پہلے رجوع ہوا وہ بھی ہندو طبیب (۲۸) تھے، ہندو اطباء میں سے زمانہ اسلام میں سب سے پہلے ہم جس کو جانتے ہیں وہ سری بھٹ ہے۔

سری بھٹ: یہ حکیم سلطان زین العابدین (۸۷۷ھ) والیٔ کشمیر کے دربار میں تھا، بادشاہ نے اس کی خود تربیت کی تھی، فرشتہ میں ہے۔

"سلطان بجہت طبابت سری بھٹ را کہ طبیبے حاذق بود تربیت کرد"

اطبائے عہد اکبری: اکبر کے عہد حکومت کے نامور ہندو اطبا کے چند نام ابوالفضل نے آئین میں (۲۹) میں لکھے ہیں، مہادیو، بھیم ناتھ، نرائن، سیوجی، افسوس کہ ان کے حالات ہم کو نہیں معلوم۔

سکھراج: اس کا باپ اسد خان وزیر عالمگیر کی سرکار میں تھا، سکھراج علاوہ دیگر علوم عقلیہ کے فن طب میں کامل دستگاہ رکھتا تھا، سید علی حسین خان کی سرکار میں پانصدی منصب پر ممتاز تھا۔

منشی لچھمی نرائن گنجاوی: ان کا ذکر زمرۂ شعراء میں بھی گذر چکا ہے، یہ بھی مسلمان طبیبوں کی درسگاہ سے فن طب کے ماہر بنکر نکلے تھے، ان کا خاندان عالمگیری و محمد شاہی درباروں کے متوسلین میں تھا۔

منشی رام پرشاد عظیم آبادی: خلف گنگا پرشاد، گو یہ طبیب تھے، لیکن طبابت کا پیشہ نہیں کرتے تھے، کمپنی کے زمانہ میں پٹنہ کی صدر امینی قبول کر لی تھی، پنڈت داتا رام کی فرمائش سے

۱۲۴۷ھ میں معیار الامراض نام ایک کتاب فن طب میں تالیف کی جس میں سر کے بال سے پاؤں کے ناخنوں تک کی کل بیماریوں کے قوانین کلیہ لکھے ہیں، یہ کتاب اسی زمانہ میں چھپ بھی گئی تھی۔

رائے منولال فلسفی: التوفی ۱۲۴۸ھ دیگر علوم عقلیہ کے ساتھ طب کا بھی ماہر تھا، مفردات طب میں اس کی ایک تصنیف ہے۔

لالہ سوہن لال: سندیلوی، رائے منولال کا بھائی تھا، فارسی کا ادیب اور طب میں یگانۂ عہد تھا اس کا بھتیجا کندن لال، قسطاس کے خاتمہ میں لکھتا ہے:

"عمویم لالہ سوہن لال کہ طبیب حاذق وادیب کامل بودند،"

بچولال تمکین: حیدرآبادی، اُس نے اپنے طبی تجربات دو جلدوں میں لکھے ہیں، یہ دونوں جلدیں قلمی کتبخانہ آصفیہ میں ہیں۔

پنڈت لالہ چند: اس کی ایک تصنیف کحل الابصار کا ایک قلمی نسخہ آصفیہ میں ہے، نام سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید مخصوص آنکھ کی بیماریوں کے علاج میں ہے۔

دیاناتھ: اس نے ویدک سے پاکاہوی کالی کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا، قلمی نسخہ آصفیہ میں ہے۔

منشی مہتاب نرائن: ضروری الطب کا مصنف ہے، اس کا موضوع ادویہ کے خواص ہیں۔

یہ ان طبیب مصنفوں کی مختصر فہرست ہے، جنھوں نے فارسی زبان کو اپنے اظہار خیال کا آلہ بنایا، بیسیوں مصنفین اس کے علاوہ ہیں، جنھوں نے اسلامی طب کو ہندی، مرہٹی، بنگالی اور تلنگی میں منتقل کیا، تلنگی کی بعض طبی کتابوں کے نام کتبخانۂ آصفیہ کی فہرست میں موجود ہیں، یہ اسی وسعت کا اثر تھا کہ شہروں کو چھوڑ کر دیہات اور قصبوں تک کے ہندو بنئے طبی دواؤں کے بڑے بڑے عطار بن گئے، اور عرب و ایران و ترکستان کی دوائیں ان کی دوکانوں پر بکنے لگیں، اور زمانہ کی شدید مخالفتوں کے باوجود ان کے آثار ابتک باقی ہیں۔

اخلاق وتصوف

اس مضمون پر مفصل بحث تو ایک مستقل عنوان "اسلام کا اثر ہندو مذاہب" میں ہو

گی، یہاں علمی حیثیت سے صرف چند ہندو مصنفین کا تذکرہ مقصود ہے، جنھوں نے ان مسائل پر اظہار خیال کیا ہے۔

بابا نانک: جو سکھ فرقہ کے بانی ہیں، وہ فارسی میں بہت اچھی دستگاہ رکھتے تھے، ان کے گرنتھ میں فارسی کے سیکڑوں اشعار اور الفاظ ہیں، اور مولوی رومی، اور حافظ وغیرہ صوفی شعراء کے تو وہ دلدادہ تھے، فارسی میں ان کی دو کتابیں تصوف میں ہیں، الٰہی نامہ اور دل طلب ایک اور مناجات بحر طویل میں ان کی ہے، یہ تینوں رسالے آصفیہ میں ہیں۔

راس ستی داس: عالمگیر ثانی کے عہد میں تھے، محیط معرفت تصوف میں ان کی کتاب ہے، ۱۸۵۶ء میں چھپ بھی گئی ہے۔

لال جی داس: بابا لال گرو، (دارا شکوہ کا مرشد) کا چیلا تھا، بابا لال کے ملفوظات ۱۱۸۵ھ میں اس نے فارسی میں جمع کیے ہیں گورنمنٹ کلیکشن لائبریری میں ۲۱ جلوس عالم شاہی کا لکھا ہوا نسخہ موجود ہے۔

بھیرو مل: رسالہ علم جوگ فارسی کا مصنف۔

بشن سنگھ: شیو پران، فارسی میں اسکی تصوف پر تصنیف ہے، یہ دونوں نسخہ قلمی آصفیہ میں ہیں۔

رائے مکھن لال: اخلاق نامہ فارسی منظوم کا مصنف، اس کا قلمی نسخہ موجودہ آصفیہ ۱۱۹۳ھ کا لکھا ہوا ہے۔

سوامی بیاس: شارق المعرفت کے نام سے جوگ بشسٹ کا فارسی ترجمہ کیا، حال و زمانہ نہیں معلوم۔

ان کے علاوہ اکبری دور کے ان خداپرستوں کے نام بھی ملا لو جن کو ابوالفضل نے خدیونشائتین، خداوند باطن اور خوانائے نقلی مقال کی فہرست میں جگہ دی ہے، یعنی مادھو سرستی، مدھ سودن، بابا بلاس، نارائن آسرم، بابا کپور، بھان چند، ہر جی سور، دامودر پرت، رام تیرتھ، نرسنگ، پرم اندر، آدت، رام بھدر، بجی سین سور، اور جہانگیری دور میں جدروپ گوشائین، اور دوسرے ہندو صوفیا تھے جن کا ذکر تزک میں اُس نے متعدد مقامات پر کیا ہے۔

موسیقی

فن موسیقی کے جاننے والے اس کثرت سے اس عہد میں پیدا ہوئے ہیں کہ استقصا

بھی مشکل ہے، شاہان ہند کی فیاضیوں نے اس فن کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا، ہندوستان میں یہ فن نہایت قدیم زمانہ سے ہے، اور اس میں اس کی استادی مسلم ہے، لیکن مسلمانوں کی آمد کے بعد ایران وتوران کی موسیقی نے ملکر ایک نیا عالم پیدا کر دیا، پٹھانوں کی عہد حکومت میں بھی اس فن کے جاننے والے ہندو موجود تھے، اور سلاطین دہلی کا دست کرم انکو دارالحکومت کی طرف ہمیشہ کھینچتا رہتا تھا، جہاں خسرو کے سے ہمہ دان سے ان کو مقابلہ کرنا پڑتا تھا جن میں سے سب سے مشہور نایک گوپال تھا، اس کے ۱۲۰۰ فن موسیقی میں شاگرد تھے جو اس کے جلو میں ساتھ ساتھ چلتے تھے، گوپال اسی شان سے سلطان علاء الدین خلجی کے دربار میں آیا تھا۔ (۳۰)

کشمیر ایک مدت سے فن موسیقی کا گہوارہ ہے، لیکن تمہیں علم ہے کہ یہاں کس دایۂ کرم نے اس کی پرورش کی، سلطان زین العابدین شاہ کشمیر (۸۷۷ھ) نے، وہ خود اس فن کا بہت بڑا ماہر تھا، اور موسیقی دانوں کا مربی تھا، ایران اور ہندوستان کے موسیقی دان اس کے دربار میں کھنچے چلے آتے تھے، فرشتہ کہتا ہے:

> " آوازۂ جود او چون انتشار یافت، سازندہا و گویندہا کہ در علم موسیقی یگانۂ زمان بودند از اطراف ونواحی روئے بکشمیر نہادند، چنانکہ کشمیر از کثرت ہندویان این فن رشک ملک فرنگ شد، (۳۴۴ جلد دوم)

بودی بت: (شاید صحیح دیوی پت ہو) وہ ایک طرف فارسی کا ادیب تھا، تمام شاہنامہ اس کو برزبان یاد تھا، دوسری طرف موسیقی میں کامل دستگاہ رکھتا تھا، بادشاہ کے نام کی مناسبت سے زین نام اُس نے اس فن میں ایک کتاب لکھ کر دربار میں پیش کی، بادشاہ نے اس کو نہایت پسند کیا، اور اس کے حال پر نوازش فرمائی۔

ہندوستان کی موجودہ موسیقی کی نسبت میں نے کہا ہے کہ وہ تنہا ہندوستان زا نہیں ہے بلکہ مسلمان بادشاہوں کی خوش مذاقی نے ایران وتوران و ہندوستان کو ملا کر ایک کر دیا تھا، علاوہ قیاس کے ابوالفضل کی اس عبارت سے بھی یہ اشارہ سمجھنا چاہئے۔

> " نادرہ کاران ہندی و ایرانی وتورانی وکشمیری از مرد وزن عشرت

افزائے بزم ہمایوں"۔ (آئین ۱۸۳)

دربار اکبری میں مسلمان اساتذہ فن کے ساتھ حسب ذیل ہندو مشاہیر کے نام بھ ہم دوش بدوش پاتے ہیں، بابا رام، سورداس، اورنگ سین، میاں تان سین، اور میاں چند کو ج چاہے سمجھئے، (۳۱) میاں تان سین کی نسبت ابوالفضل نے لکھا ہے کہ ایک ہزار برس میں کوئ اس کے برابر کا پیدا نہیں ہوا۔

مسلمانوں نے تو ہندوؤں کی موسیقی پر راگ درپن، اوچندر کا اور مدھنا یک سنگار وغیرہ کئی کتابیں لکھی ہیں، مگر بھوپت رائے کے علاوہ جس نے ۱۹ جلوس محمد شاہی میں رسالہ علم موسیقی لکھا، اس فن کے دوسرے ہندو مصنف کا نام ہم کو نہیں معلوم۔

ذیل میں چند نام اخیر زمانہ کے استادوں کے آثار شعرائے ہنود سے اضافہ کرتے ہیں۔

پنڈت اجودھیا پرشاد: کشمیری لکھنوی، حیرت تخلص، استاد جرأت کے شاگرد تھے، کئی دیوان اور مثنویاں ان سے یادگار ہیں، فن موسیقی میں اپنے عہد کے مسلم الثبوت استاد تھے، ۳۵ برس کی عمر میں ۱۲۳۴ھ میں وفات پائی۔

مٹھن لال: دہلوی، ولد بخشی سلطان سنگھ کایستھ، فارسی و سنسکرت و طبابت و شاعری کے علاوہ موسیقی کے ماہر تھے، ایک خاص ساز کے موجد ہیں۔

روشن لال: شوق تخلص، موسیقی کے استاد تھے۔

تلسی داس: دہلوی، صمیم تخلص، سنسکرت کے عالم تھے اور فارسی سے واقف تھے، فقیرانہ بسر اوقات کرتے تھے، طبابت کے علاوہ فن موسیقی کے استاد یگانہ تھے، دلی کے شہزادہ مرزا قادر بخش طاہر اپنے تذکرہ گلستان سخن میں لکھتے ہیں۔

> "زبان فارسی سے بقدر ضرورت آگاہ اور کتب ہنود علی الخصوص فن موسیقی کی پوتھیوں سے صاحب انتباہ، ستار بجانے میں ہوش سر سے اور جان تن سے نکال لیتا تھا، میں نے اس کے نغمۂ دلنواز کو اپنے کانوں سے سنا ہے اور اس کیفیت سے حظ دلخواہ اٹھایا ہے گاہ گاہ ریختہ کی طرف التفات کرتا تھا"۔

موسیقی ہندوستان کی چیز تھی، لیکن مسلمانوں نے اپنا سرمایہ ملاکر اس کو اپنا کرلیا، ہندو موسیقی داں بھی ان کا تلمذ خوشی سے قبول کرتے تھے، اس اخیر عہد میں استاذ ناالمرحوم مولانا محمد فاروق صاحب چریا کوٹی کے بڑے بھائی مولانا عنایت رسول صاحب چریا کوٹی جو اپنے وقت کے ہمہ دان فاضل تھے بلکہ بعض حیثیات سے کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کی خاک نے ان کی نظیر نہیں پیدا کی، وہ علاوہ دیگر علوم کے فن موسیقی کے بھی ماہر یگانہ تھے اور علمی حیثیت کے علاوہ عملاً بھی اس کو جانتے تھے، اُنکے کئی ہندو شاگرد اس فن میں اب تک موجود ہیں، اور ان کے نام کی عظمت کو اب تک برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

مصوری

ہندوستان میں سنگ تراشی تو یقیناً قدیم زمانہ سے موجود تھی اور اس کی بہترین زندہ مثالیں، بودھوں اور جینیوں کی عمارتوں اور معبدوں میں مل سکتی ہیں، ایلورا اور اجنتا وغیرہ غار ابتک دنیا کے لیے تماشائے حیرت ہیں، لیکن شبیہ کشی، طراحی اور رنگ آمیزی و مصوری کی نسبت نہیں کہا جاسکتا کہ ہندوستان قدیم نے اس فن کو کہاں تک سیکھا تھا اور نہ کسی ہندی مصور کا نام معلوم ہے، جس نے اس فن میں کمال حاصل کیا ہو۔

مسلمانوں کی آمد کے بعد دیگر فنون لطیفہ کی طرح اس فن میں بھی ہندوؤں نے کمال پیدا کرنا شروع کیا، اور چند روز میں یہ حال ہو گیا کہ بقول ابوالفضل ہندوستان کے صفحۂ خیال میں بھی جس نقش کمال کا تصور نہ ہوا ہوگا وہ واقعاً ہو گیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہنشاہ اکبر جیسے ہند پرست کے عجائب خانہ میں قدیم ہندوستان کی صنعت مصوری کی کوئی یادگار نہ تھی ابوالفضل کی عبارت یہ ہے:

> ”ہند را چہ گویم کہ تصویر این معنی (مصوری میں کمال) بر صفحۂ خیال
> نکردہ بود، ہمانا از اقالیم جہان کمتر نشان دہند“۔ (صفحہ ٧٧)

یعنی جس ہندوستان کو اس فن کا کبھی خیال بھی نہ آیا تھا، اب دنیا میں بہت کم اس فن میں کوئی اس کا حریف نکلے گا، دربار اکبری کے مشہور ہندو مصورین کے نام یہ

ہیں، کیسو، لعل، مکند، مادھو، جگن، مہیش، کھیمکرن، تارا، سانولہ، ہربنس، اور رام۔ بساون ایک ہندو مصور کی نسبت ابوالفضل لکھتا ہے

''بساون در طراحی و چہرہ کشائی و رنگ آمیزی و مانند نگاری و دیگر کارہائے این فن یگانہ زمانہ شد''۔ (صفحہ ۷۷)

دسونتھ ایک کہار بچہ تھا اس کو اس فن سے فطری مناسبت تھی، وہ محل شاہی کی دیواروں پر ادھر اُدھر بچپن سے لکیریں کھینچا کرتا تھا، ایک دن اکبر کی نظر اس پر پڑ گئی جوہر قابل پا کر خواجہ عبدالصمد شیرین قلم کے سپرد کیا، تھوڑے ہی زمانہ کی تعلیم میں وہ اس فن کا بے نظیر استاد بن گیا۔

جہانگیر تمام شاہان تیموری میں اس فن کا سب سے بڑا مربی اور قدر دان تھا، بشن داس اسکے دربار کا مشہور مصور تھا، خود بادشاہ تزک میں اس کی تعریف میں لکھتا ہے:

''بشن داس مصورے کہ در شبیہ کشی از یکتایان روزگار است''

۱۴؁ جلوس میں جہانگیر نے خان عالم کو عراق بھیجا تھا، بشن داس کو بھی اس کے ساتھ بھیجا کہ شاہ عباس صفوی اور اس کے دربار کی تصویریں کھینچ کر لائے، یہ تصویریں اس قدر عمدہ کھینچی گئی تھیں کہ جن لوگوں نے ان اشخاص کو دیکھا تھا وہ کہتے تھے کہ اصل سے سرمو فرق نہیں خود بادشاہ بھی بشن داس کے اس کارنامہ کو تزک میں فخریہ لکھتا ہے اور مصور کے قلم کو داد دیتا ہے۔

عبدالرحیم خانخانان کا کتبخانہ ایک عجائب خانہ تھا، اس عجائب خانہ کی سب سے حیرت انگیز چیز ایک ہندو مصور مادھو تھا، (شاید یہ وہی ہو جس کا نام ایک دفعہ اُوپر بھی آیا ہے) جسکی نسبت مآثر رحیمی کا مصنف لکھتا ہے کہ تصویر، طراحی، مصوری اور شبیہ سازی میں نادرۂ روزگار تھا، اور اس کتبخانہ کی اکثر باتصویر کتابیں اسی کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھیں۔

محمد شاہ کے زمانہ میں گوردھن دلی میں ایک مصور تھا، انندرام مصنف مرآۃ الاصطلاح (۳۲) اس کی نسبت لکھتا ہے کہ ''نرگس کی ایک پتی پر پورے شہر کی تصویر وہ کھینچتا تھا''

افسوس کہ ان استادوں کو تاریخ کی زندگی نصیب نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے بجز ان

لوگوں کے جو سلاطین اور امراء کے دامن سے لپٹے رہتے تھے، اوروں کے نام تک بھی تاریکی کے پردہ میں گم ہیں ورنہ سینکڑوں اساتذۂ وقت ہوں گے جن کو گو قسمت نارسا ملی ہوگی لیکن دست و دماغ کی نارسائی کے وہ شاکی نہ ہوں گے۔

اخیر زمانہ کے چند ہندو طبیب

پورن سنگھ: قوم کایستھ، دہلی وطن، سعادت یار خان رنگین کے شاگرد تھے اور پورن تخلص کرتے تھے، علم سنسکرت اور طبابت ہندی میں مہارت کامل رکھتے تھے مگر بدمزاجی اور وارستگی کے سبب بیماروں کی طرف کم التفات کرتے تھے، فارسی میں بھی دخل تھا۔

لالہ کھیم نرائن کھتری: مہاراجہ ٹکیت رائے لکھنوی کے رفقا میں تھے، اخیر عمر میں نوابی کے بعد کلکتہ جاکر رہ گئے تھے، فارسی کے شاعر تھے طب میں بہت اچھا دخل رکھتے تھے، مولوی حفیظ الدین شہید کے شاگردوں میں تھے۔

مٹھن لال: قوم کایستھ سکسینہ، ولد بخشی سلطان سنگھ دہلوی، فارسی اور سنسکرت کے عالم تھے ایک لغت کے مصنف ہیں، طبابت میں شہرت رکھتے تھے۔

تلسی داس: سادھو تھے، فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے، دلی وطن تھا، قلعہ کے شہزادوں سے ارتباط رکھتے تھے، کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے، صمیم تخلص تھا، طب ہندی میں امام تھے، اور مجربات بیدک سے اکثر امراض مزمنہ کا علاج کرتے تھے، کشتوں کے استعمال میں اور جذام اور وجع مفاصل وغیرہ کے علاج میں مہارت تامہ رکھتے تھے، موسیقی میں کمال پیدا کیا تھا، فارسی زبان سے واقف تھے۔

سکھانند: قوم کایستھ، دلی وطن، شاہ نصیر دہلوی کے شاگرد، شاعری کے علاوہ فن طبابت میں "وحید العصر" تھے۔

(معارف، مئی — دسمبر ۱۹۱۸ء)

حواشی

(۱) فہرست تصنیفات بیرونی در آثار باقیہ۔

(۲) جامع القصص العربیہ فی الاخبار الہندیہ صفحہ ۱۱۵ مطبوعہ فرانس (بُن)۔

(۳) صفحہ ۲۴۴، نولکشور۔

(۴) مآثر عالمگیری صفحہ ۸۱۔

(۵) تذکرۂ خوشنویسان۔

(۶) تزک جہانگیری۔

(۷) تزک جہانگیری صفحہ ۲۸۵۔

(۸) سبحۃ المرجان، آزاد۔

(۹) معارف: مسلمانوں کے عہد میں چند سال کے لیے یہ بنگال کا راجہ بن بیٹھا تھا، اس کا بیٹا تخت نشین ہو کر مسلمان ہو گیا تھا۔

(۱۰) صفحہ ۱۰۷۔۱۱۱، پروموشن آف لرننگ ان انڈیا۔ (Promotion of Learning in India)

(۱۱) یہ تمام نام مختلف فارسی تذکروں سے التقاط کیے گئے ہیں۔

(۱۲) خطبۂ صدارت ندوہ مدراس ۱۹۱۷ء از مولانا ے شروانی۔

(۱۳) تاریخ الادب جلد ۱، صفحہ ۵ شائع کردہ جامعہ مصریہ (انجیشین یونیورسٹی) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۴ صفحہ ۱۵۹، طبع ۱۱۔

(۱۴) پہلا پرپ، ادھیائے ۱۴۷۔

(۱۵) بیرونی کی کتاب الہند اور ابوالفضل کی آئین اکبری کا دفتر سوم۔

(۱۶) مثلاً تمدن ہند، انسائیکلوپیڈیا لفظ انڈیا۔

(۱۷) دکن کالج پونہ میں سنسکرت کی مطبوعہ اور قلمی کتابوں کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔ مذہبی کتابوں اور مکرر نسخوں کو ملا کر ۵۸۱ کتابوں کی تعداد ہے۔

(۱۸) ستیارتھ پرکاش، سمولاس ۱۱،

(۱۹) تمدن ہند صفحہ ۳۳۹

(۲۰) گذشتہ تاریخ سے بحث نہیں، بلکہ زمانۂ رواں کا سوال ہے۔

(۲۱) تاریخ فرشتہ، نولکشور، جلد ۲، صفحہ ۲۳۴۔

(۲۲) آئین اکبری، نولکشور جلد ۲، صفحہ ۱۸۱۔

(۲۳) دکن کالج لائبریری کیٹلاگ، صفحہ ۱۹۹۔

(۲۴) ''ہندوستان میں علوم کی ترقی مسلمانوں کے زمانہ میں'' مسٹر لا نے یہ قول نقل کیا ہے۔

(۲۵) آئین اکبری، آئین تصویر خانہ۔

(۲۶) مقدمہ زیج محمد شاہی۔

(۲۷) سبحۃ المرجان، آزاد بلگرامی۔

(۲۸) فرشتہ ذکر بہمن شاہیہ۔

(۲۹) صفحہ ۱۷۶، نولکشور۔

(۳۰) شعر العجم میں راگ درپن کے حوالہ سے امیر خسرو و گوپال کا حال پڑھو، جلد دوم صفحہ ۱۳۵۔

(۳۱) لفظ میاں نومسلم ہونے کی علامت کو ظاہر کرتا ہے۔

(۳۲) قلمی نسخہ پٹنہ کے مشرقی کتبخانہ (یعنی خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری) میں ہے، نہایت نادر کتاب ہے۔

☆☆☆

سے امیر خسرو و گوپال کا حال پڑھو، جلد دوم صر

Education of Non-Muslims under the Muslim Rule

By

Syed Suleyman Nadvi

Khuda Bakhsh Oriental Public Library
Patna